سیب کے اندر تک دیکھنا
(معاملے کی تہہ تک جانا)

تحریر
ڈاکٹر مرزا ایحان اِنک

Hayrât Neşriyat

سیب کے اندر تک دیکھنا
(معاملے کی تہہ تک جانا)

تحریر

ڈاکٹر مرزا ایحان اِنک

آپ QR کوڈ اسکین کر کے ڈیجیٹل مواد تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور کتاب سے متعلق اپنے خیالات ہمارے ساتھ شیئر کر سکتے ہیں۔

شکریہ!

تیار کردہ

یوسف ارمک

معلم

سائی کونس: سالم کوسے

تصویریں

زیڈ. اوفلاز

صفحات کی ترتیب

اردم کویمین

ترجمہ

عمر صدیق

ایڈیٹر

طہ فاروق یوسف

فہرستِ مضامین

نئی چیزیں سیکھنے کا جوش و خروش ٥
ایمان کتنا خوبصورت ہے ٧
تین عظیم اساتذہ جو ہمیں ہمارے محبت کرنے والے رب سے متعارف کرواتے ہیں ... ١٥
کیا ایمان کے درجے ہوتے ہیں؟ ٢١
ہم بس معاملے کے ظاہر کو دیکھتے ہیں یا اس کی تہہ میں جاتے ہیں؟ ٢٩
سنو فلیک (بلی کا نام) اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے ٣٦
کائنات کو مجموعی طور دیکھنا ٤٢
یونیورسٹی کا سفر ٤٨
قوانین اس بات کا ثبوت ہیں کہ کوئی قانون بنانے والا موجود ہے ٥١
اسلام اور سائنس یونیورسٹی ٥٩
مذہب اورسائنس میں ہم آہنگی ٦٢
عقل ثبوتوں کے ساتھ کام کرتی ہے ٦٥
خالق کے دکھائی نہ دینے کا مطلب یہ نہیں کہ چیزیں اتفاقا وجود میں آ گئی ہیں ٦٦
ہماری دنیا ایک پُرتعیش محل کی طرح ہے ٩٦
موجودات کی پراسرار زبان ٧٠
میں آپ سے مخاطب ہوں ، کیا آپ کو خبر ہے؟ ٧٢
ایک جاہل شخص وہ کام انجام نہیں دے سکتا جس میں علم کی ضرورت پڑتی ہو ٤٧
بغیر مصور کے کوئی تصویر نہیں ٧٦
خالق مخلوق کی نوع میں سے نہیں ہو سکتا ٧٩
ہر چیز دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہے ٨١
جو بے جان ہے وہ زندگی نہیں دے سکتا ٨٢
بہت زیادہ باورچی سالن کو خراب کر دیتے ہیں ٨٣
غیر متوقع لیکچرر ٨٤
ہر نظم اپنے شاعر کو ظاہر کرتی ہے ٨٧
فرشتوں کو نہ دیکھ پانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ موجود نہیں ٨٨
انسانیت کو نبیوں کی ضرورت ہے ٨٩
بلا شبہ آخرت میں زندگی ہوگی ٩٢
دوسری مرتبہ تخلیق پہلی مرتبہ سے آسان ہے ٩٤
لوگ اپنے انتخاب اور چناؤ اپنی آزاد مرضی سے کرتے ہیں ٩٥
جب ہر چیز کا ایک مقصد ہے تو انسان کیسے بے مقصد ہو سکتا ہے ٩٧
ایمان ہماری سب سے بڑی مدد کی جگہ ہے ٩٩
میں اپنے ایمان کو کیسے مضبوط کر سکتا ہوں؟ ١٠٢

بسم الله الرحمن الرحيم

نئی چیزیں سیکھنے کا جوش و خروش

گرمیوں کی خوبصورت چھٹیوں کا اختتام ہو چکا تھا اور نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا تھا۔ طلباء اسکول سے محبت کرتے تھے اور نئی چیزیں سیکھنے کے لیے پُر جوش تھے۔ اس جوش و خروش میں ستمبر پلک جھپکنے میں گزر گیا اور اب درختوں کے پتوں پر اکتوبر کی زردی چھا رہی تھی۔

اسکول کے باغ میں موجود بڑے تنے والے بلوط کے درخت سے پتے گر رہے تھے جس کے نیچے طلباء بہار اور گرمیوں میں کھیلتے تھے۔ اس کی گھنی شاخیں جو کبھی پرندوں کے گھونسلوں کا گھر تھیں، اب خالی ہو چکی تھیں اور اس کے خشک پتے اس کی جڑوں کے گرد اُڑ رہے تھے۔ یہ ایک تاریخی اسکول کا باغ تھا جو "Üsküdar" کے قریب واقع تھا اور ۱۸۹۸ء یعنی عثمانی دور میں تعمیر ہوا تھا۔

سلطان عبد الحمید خان مرحوم جنہوں نے تعلیم اور نوجوانوں کی اہمیت پر بہت زور دیا تھا انہوں نے اس اسکول کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ تراشے ہوئے پتھروں کی یہ عمارت کافی کشادہ تھی جو اس وقت تو ایک رُشدیہ (تیاری کے اسکول) کے طور پر بنائی گئی تھی۔ کلاس رومز کی چھتیں بلند تھیں تاکہ جگہ کا بھرپور استعمال کیا جا سکے اور کھڑکیاں وسیع

تھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ روشنی اور ہوا اندر آ سکے۔ عمارت کا داخلی دروازہ بہت بڑا تھا اور خوبصورت کاریگری سے سجا ہوا تھا۔

اسکول کے سامنے کتابوں کی ایک بڑی دکان تھی جہاں اسٹیشنری، رسائل اور کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ یہ بہت کشادہ تھی اور گھاس اور درختوں سے گھری ہوئی تھی۔ اندر میزوں پر بیٹھ کر چائے پینا اور کتابیں پڑھنا ممکن تھا۔ اسکول کے بعد یہ جگہ طلباء سے بھری ہوتی تھی جو اپنی مطالعہ کی ضروریات پوری کرتے اور اپنی پسند کی کتابیں تلاش کرتے تھے۔ دکان کے مالک ایک ریٹائرڈ استاد تھے جو کتابوں کے شوقین تھے اور نوجوان محبت سے انہیں انکل عمر کہہ کر پکارتے تھے۔ طلباء اکثر انہیں خوبصورت عینک کے پیچھے کتاب پڑھتے ہوئے پاتے، ان سے بات چیت کرتے اور اپنی مطلوبہ کتابوں کو تلاش کرنے میں مدد لیتے۔ انکل عمر خوشی سے ان کی مدد کرتے۔

دکان کی دیوار پر بڑے حروف میں لکھا ہوا تھا "جو چاہو لے لو اور پڑھو، پھر واپس کر دو" ۔ نئے آنے والوں کو ابتدا میں یہ جملہ حیران کن لگتا تھا لیکن اس کا مطلب سمجھ کر وہ خوش ہو جاتے تھے۔ اس سے انہیں کم قیمت میں ان کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا تھا کیونکہ وہ پنے پسندیدہ انکل عمر سے اپنی پسند کردہ کتاب کو پندرہ دن کے لیے بغیر خریدے کرائے پر لے سکتے تھے ۔

انکل عمر کا پوتا علی جو کہ اسکول کا ایک زندہ دل ، ہمیشہ مسکرانے والا اور کھیلنے والا طالب علم تھا، دوپہر کے وقفے کے دوران اپنے دوستوں کے ساتھ لائبریری آتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اپنے دادا کی مدد کرتا لیکن اکثر وہ میزوں پر بیٹھ کر اپنے دادا کی ان کے دوستوں کے ساتھ ہونے والی میٹھی میٹھی باتیں سنتا رہتا۔

اور یہاں میں انکل عمر کی دلکش بلی "سنو فلیک" کا ذکر کرنا نہیں بھول سکتا جو دکان کا ایک لازمی حصہ بن گئی تھی۔ لائبریری میں آنے والوں کو اسے دیکھنا پسند تھا اور جب وہ دکان میں نہیں ہوتی تو اس کے بارے میں پوچھتے تھے۔ سنو فلیک ایک خوبصورت سفید

بلی تھی جو اپنی "پرپر پر" کی میٹھی آواز کے ساتھ آنے والوں کو بہت پسند آتی تھی۔

اسکول کے دینیات کے استاد یوسف صاحب بھی اکثر انکل عمر کی دکان پر آتے تھے اور ان کے ساتھ بات چیت کرتے تھے۔

ایمان کتنا خوبصورت ہے

پیر کا دن تھا اور طلباء دن کی آخری کلاس میں تھے جو کہ دینیات کی کلاس تھی۔ دن کی تھکاوٹ سے وہ کچھ تھکے ہوئے تھے لیکن اپنے پسندیدہ سبق کے لیے بے تاب بھی تھے۔ یوسف صاحب جو کہ مذہب اور اخلاقیات کے استاد تھے اسکول کے سب سے پسندیدہ اساتذہ میں سے تھے۔ طلباء ان سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ انہیں اخلاقی اقدار سکھاتے تھے اور ان کی رائے کی قدر کرتے تھے۔ سوالات کرتے وقت وہ صبر سے ان کے جوابات کا انتظار کرتے اور انہیں خود سے سوچنے کی ترغیب دیتے اور

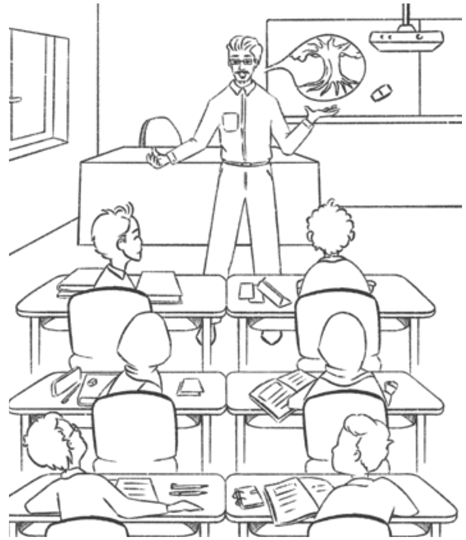

جوابات تلاش میں ان کی مدد کرتے۔ وہ نہایت متحرک انداز میں طلباء کے ساتھ شامل ہو جاتے اور کائنات، اللہ کی حیرت انگیز تخلیقات کی خوبصورتی اور فن کا ذکر کرتے ہوئے حقیقی زندگی کی مثالوں کے ذریعے سبق سمجھاتے۔ وہ طلباء کو بھی سبق میں شامل کرتے اور کبھی کبھار کھلی ہوا میں کلاس کے لیے انہیں باہر اسکول کے باغ میں باہر لے جاتے۔

طلباء اپنے استاد سے محبت کرتے تھے اور ان کی کلاسوں میں خوشی اور تجسس کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اکثر ان کی خواہش ہوتی تھی کہ سبق ختم نہ ہو۔ یوسف صاحب مسکرا کر انہیں یاد دلاتے اور کہتے: "بچو! آپ کو وقفے کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آپ کی دوسری کلاسیں ہیں جن کے لیے آپ کو تیار رہنا ہے۔" جب گھنٹی بجتی تو وہ سبق ختم کر دیتے اور اس وعدے کے ساتھ کلاس ختم کرتے کہ "ہم اگلی بار اپنے موضوع کو جاری رکھیں گے۔ ان شاء اللہ! جلدی ملاقات ہو گی۔"

اب یوسف صاحب کی ایک اور کلاس تھی اور موضوع تھا "اللہ پر ایمان"۔ انہوں نے اپنا سبق یوں شروع کیا:

"ایمان پر بات کرنے سے پہلے میرے دوستو! آئیے انسانوں کے بارے میں تھوڑی بات کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان دیگر مخلوقات سے بہت مختلف ہیں۔ ہم سوچتے ہیں، تجسس کرتے ہیں، سوالات کرتے ہیں، اپنے ماحول کا مشاہدہ کرتے ہیں اور واقعات کی وجوہات تلاش کرتے ہیں۔ درخت یا اس پر بیٹھنے والے پرندے کو کوئی پرواہ نہیں کہ ایک چھوٹا سا بیج کیسے بڑے درخت میں تبدیل ہوتا ہے لیکن ہمارا تجسس ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ یہ سب کیسے ہوتا ہے۔

پیارے دوستو! انسانوں کو اس دنیا میں بہت ہی اعلی قسم کی صفات اور خصوصیات دے کر بھیجا گیا ہے۔ ہم ایسی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جو ہمیں دیگر مخلوقات سے بلند کرتی ہیں جیسے عقل، تجسس، تعریف اور محبت۔ مخلوقات میں انسانوں کی یہ امتیازی خصوصیات اور یہ اعلی صلاحیتیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ہمیں اس دنیا میں بہت اہم مقاصد کے لیے بھیجا گیا ہے جن میں سب سے بڑا مقصد اللہ پر ایمان ہے۔ اب آئیں اس سوال کی گہرائی میں جھانکتے ہیں کہ "ایمان کیا ہے؟"

انہوں نے طلباء کو سبق میں اپنا حصہ شامل کرنے پر ابھارا اور ایمان کی تعریف کے متعلق ان کی آراء مانگیں۔

نصیبہ نے کہا: "ایمان یقین ہے سر۔"

یوسف صاحب نے جواباً کہا: "بہت اچھا"

علی نے کہا: "ایمان سچے دل سے یقین کرنا ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "درست، بہت اچھا سلسلہ چل نکلا ہے۔ اور کون ہے؟"

پھر بیٹل جو کلاس میں کتابوں کی سب سے زیادہ شوقین طالبہ تھی، کھڑی ہو گئی اور کہا: "میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے سر! کہ ایمان دل سے اللہ پر بغیر کسی شک کے یقین کرنا ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "بہت اچھا!"

پھر مصطفیٰ نے ہاتھ اٹھایا اور کہا: "سر! ایمان کا تصور پہلے انسان سے ہی موجود ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟"

یوسف صاحب نے کہا: "جی ہاں مصطفیٰ! ایمان کا تصور پہلے انسان سے ہی ہے۔ نبی سیدنا آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے اور پہلے نبی بھی تھے۔ لوگ ایمان کے بارے میں نبیوں کے ذریعے ہی سیکھتے ہیں جو کہ بتاتے ہیں کہ ایمان کیوں ضروری ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ صرف نبی ہی عالمگیر سوالات کے تسلی بخش جوابات فراہم کر سکتے ہیں جیسے کہ "انسان کی موجودگی کا کیا معنی ہے؟ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہم اس دنیا کے بعد کہاں جائیں گے؟""

پھر ریان نے سوال کیا: "ایمان حاصل کیسے کیا جاتا ہے؟ کیا ہم صرف دل سے یقین کرتے ہیں اور بس؟ ہمیں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی؟"

یوسف صاحب نے طلباء کی دلچسپی اور سبق میں شرکت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "آپ نے ایک اہم سوال پوچھا ہے ریان۔ ایمان پہلے دل میں جنم لیتا ہے لیکن بعد میں زبان کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ دل وہ روحانی مرکز ہے جہاں ایمان ٹھہرتا ہے اور جڑ پکڑتا ہے جبکہ زبان وہ ہے جس کے ذریعے دل میں موجود ایمان کا اظہار ہوتا ہے۔ عزیز دوستو! دل کا ایک روحانی پہلو بھی ہوتا ہے جس میں ہمارے عقائد و نظریات ہوتے ہیں ۔ ہمیں اس دل کو اور اپنے جسم میں خون کو رواں رکھنے والے مٹھی جتنے جسمانی عضو کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا نہیں چاہیے کیونکہ یہ دونوں الگ ہیں ۔

آپ سب نے ایمان کے مختلف پہلوؤں اور خصوصیات کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اب آپ مجھے ان سب کا خلاصہ پیش کرنے دیں۔ ایمان کا مطلب ہے کہ ہم اپنے پیارے نبی ﷺ کے ذریعے اللہ کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کو قبول کریں اور سچے دل سے اس پر یقین کریں۔ بندہ پہلے دل کی گہرائیوں سے اپنے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور پھر زبان سے اس کا اظہار کرتا ہے۔

تمام نبیوں نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ اور اس کے ایک ہونے پر ایمان لانے

کی تعلیم دی۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی ہمیں یہی سکھایا کہ ہمارا رب ایک ہے اور اس کا کوئی شریک یا مددگار نہیں ہے۔ اسی کو ہم عقیدہ توحید کہتے ہیں اور اسلام توحید کا دین ہے۔"

حسن نے سوال کیا: "توحید کیا ہے سر؟ کیا آپ کچھ تفصیل سے بیان کر سکتے ہیں؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "توحید کا مطلب ہے اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ ایک ہے یعنی اللہ کے ایک ہونے کو قبول کرنا اور اس کا یقین کرنا۔ توحید ہمارے دین کا اہم ترین ستون ہے اور جو شخص بھی اسلام قبول کرتا ہے اس کے لیے سچے دل سے کلمہ توحید پڑھنا ضروری ہے جو کہ: "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے۔ یہ کلمہ، توحید کو بیان کرتا ہے۔ اس کلمے کے پہلے حصے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسرے حصے میں ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ نبی محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ایک شخص کو تب تک صاحب ایمان نہیں سمجھا جاتا جب تک وہ اس کلمے کو اسی طرح ادا نہ کرے۔"

احمد نے یہ کہتے ہوئے بولنے کی اجازت مانگی: "سر! کیا میں اس موضوع کے متعلق ایک واقعہ سنا سکتا ہوں جو پچھلے ہفتے کے آخر میں میرے ساتھ پیش آیا تھا ؟"

سر نے کہا: "ضرور، احمد!"

احمد کہنے لگا: "سر ہم سب گھر والے ہفتے کے آخر میں آیا صوفیہ مسجد میں گئے تھے۔ میں نے اس عظیم مسجد میں ایک دلچسپ واقعہ دیکھا۔ ایک نوجوان جرمن سیاح فریڈی جو اسلام کی پر تحقیق کر رہا تھا اس نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔ وہ ہیمبرگ، جرمنی کے اپنے چند پڑوسی دوستوں کے ساتھ آیا صوفیہ مسجد کے امام کے پاس آیا۔ میں نے محراب کے قریب اس کے مسلمان ہونے کے ابتدائی مراحل کو دیکھا جہاں امام صاحب نمازیں پڑھاتے تھے۔"

علی کہنے لگا: "کاش میں بھی وہیں ہوتا۔ یہ تو بہت دلچسپ لگ رہا ہے۔ "

یوسف صاحب نے کہا: احمد کیا تم ہمیں مزید بتا سکتے ہو کہ یہ سب کیسے ہوا؟

احمد کہنے لگا: "پہلے امام صاحب نے نوجوان کو مبارکباد دی۔ نوجوان کے مسلمان دوست امام صاحب اور اس کے درمیان ترجمہ کر رہے تھے۔ پھر امام صاحب نے نوجوان سے اسلام کے فضائل پر بات کی اور اس سے پوچھا کہ اس نے اسلام کو کیوں چنا۔ جرمن نوجوان نے اپنے دوستوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا: سب سے بڑا سبب میرے مسلمان پڑوسی اور اسکول میں مسلمان دوست ہیں۔ میں ان کی خوبصورت طرزِ زندگی، خاندانی نظام، انسانیت، اچھی ہمسایہ داری، ہمدردی اور انصاف پسندی سے بہت متاثر ہوا۔ پھر میں نے ان کے دین پر تحقیق شروع کی اور جتنا میں نے اسلام، نبی سیدنا محمد ﷺ اور قرآن کے بارے میں سیکھا اتنی ہی مجھے اس سے محبت ہوتی گئی اور مزید جاننے کی خواہش بڑھتی گئی۔ اسی ارادے کے ساتھ میں ترکی آیا۔ یہاں استنبول کی مساجد اور اذان سے میں بہت متاثر ہوا اور آج الحمد للہ میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا "

"پھر امام نے نوجوان کو دوبارہ مبارکباد دی اور اس سے ایمان کی شہادت(گواہی) کی اہمیت کے بارے میں بات کی اور اپنے ساتھ اسے دہرانے کا کہا۔ ہم نے بھی اس کے ساتھ ایمان کی گواہی دی اور کہا:

"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا ﷺ عبده ورسوله"

میں تو بہت متاثر ہوا سر! پھر وہاں موجود تمام لوگوں نے اپنے نئے دینی بھائی کو گلے لگا کر اسے مبارکباد دی۔ میں آج بھی اس نوجوان سیاح کی آنکھوں سے بہنے والے خوشی کے آنسو نہیں بھول سکتا۔"

یوسف صاحب نے کہا: "آپ نےایک نہایت جذباتی واقعہ دیکھا ہے۔ الحمدللہ ہمارے ایک اور نوجوان بھائی کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ کتنی خوبصورت بات ہے!"

یاوز نے پوچھا: "اسلام کا شرف حاصل کرنا کیا معنی رکھتا ہے سر؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: " یہ ایک گہرا سوال ہے۔ عزیز دوستو! اللہ پر ایمان لانا اور اسے قبول کرنا ہمارا پہلا فرض ہے کیونکہ یہ ہمیں دنیا میں بھیجے جانے کا سب سے اعلی مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ہمیں اپنی ذات سے آشنا کرنے، ہمیں اپنے بارے میں بتانے اور ہمیں اپنی ذات مبارکہ سے محبت کرنے کے لیے بنایا ہے۔ اس نے تمام نبیوں اس لیے بھیجا کہ وہ لوگوں کو ایمان کی طرف بلائیں۔ ایمان کی گواہی دے کر انسان کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے یعنی اللہ کے سامنے جھک جانے کو قبول کر لیتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ سب کچھ اسی سے ہے۔ ایمان کے ذریعے انسان یہ حقیقت سمجھ جاتا ہے کہ وہ جس نے اسے بنایا اور اسے ہاتھ، زبان، آنکھیں، دماغ، دل، ماں، باپ اور وطن جیسی تمام نعمتیں دی ہیں وہ اللہ ہے۔ اس طرح بندے اور اس کے خالق کے درمیان ایمان کا ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ یہ ایمان کا تعلق ہماری سب سے بلند اور اعلیٰ صفت ہے۔ اسلام میں عزت کا معیار دولت، نسل، عہدہ یا مال ہے نہیں بلکہ ایمان اور اسلام ہے اور فریڈی کو یہی عزت اور شرف ملا۔"

احمد کہنے لگا: "اوہ سر ایک اور بات جو میں بھول ہی گیا۔ جب فریڈی نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے کہا کہ وہ اپنا نام تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ امام صاحب نے کہا: جیسے تم چاہو تم کر سکتے ہو۔ امام صاحب نے اسے یہ بھی بتایا کہ نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے

صدیوں پہلے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے آنے کی خبر دی تھی اور انجیل میں ہمارے نبی ﷺ کا نام احمد ہے۔ امام صاحب نے یہی نام یعنی "احمد" فریڈی کو تجویز کیا جو اس نے خوشی سے قبول کر لیا۔"

ایمان ہی انسان کو حقیقی انسان بناتا ہے!

یوسف صاحب نے کہا: "احمد! آپ اب یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہمارے نئے مسلمان بھائی کے ساتھ مذہب اور نام دونوں میں ایک جیسے ہیں۔"

احمد نے کہا: "جی بالکل سر! وہ ایک بہت خوبصورت دن تھا جسے میں اپنی زندگی میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ اب جب بھی میں آیا صوفیہ مسجد کے بارے میں سوچتا ہوں مجھے اپنا نو مسلم بھائی احمد یاد آ جاتا ہے۔"

یوسف صاحب کلاس کی طرف مڑے اور کہا: "میں آپ کے دوست احمد کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں ایک اچھا واقعہ سنایا ہے جو ہم سب کے دلوں کو چھو گیا ہے۔ اس نے ہمیں عملی طور پر ایمان کی خوبصورتی دکھا دی ہے۔ عزیز دوستو! ایمان ایسا سورج ہے جو نہ صرف ایک تاریک انسان کے باہر کو روشن کرتا ہے بلکہ اس کے اندر کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ ایمان کے ذریعے بندہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ جو پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہیں آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی اعلی صفات کو اپنا کر حقیقی انسان بنتا ہے۔ وہ سیکھتا ہے کہ انسانیت، رحمت، صفائی، ایثار، وفاداری، اچھے اخلاق اور آداب کیا ہیں اور نہ صرف سیکھتا ہے بلکہ ان پر عمل بھی کرتا ہے۔ اور آپ نے دیکھا کہ ایک غیر ملک میں اسلام پر اچھے طریقے سے عمل کرنے والے لوگ دوسرے لوگوں پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کے دلوں کو کیسے اسلام کی طرف مائل کرتے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس نوجوان جرمن بھائی کے مسلمان پڑوسیوں اور دوستوں کو بھی مبارکباد دینی چاہیے کیونکہ اسلام کو جس خوبصورتی اور سچائی کے ساتھ انہوں

نے اختیار کیا ہوا ہے اس سے دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی اسلام کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔"

نصیبہ نے بولنے کی اجازت چاہی اور کہا: "سر! کیا ایمان کی مختلف قسمیں اور سطحیں ہیں؟"

پوری کلاس خاموش ہو گئی جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہوں اور وہ سب بے تابی سے اس سوال کا جواب سننا چاہ رہے تھے لیکن اچانک بریک کی گھنٹی بجی اور یوسف صاحب نے سبق ختم کر دیا اور کہا: "عزیز دوستو! اگر آپ چاہیں تو اس خوبصورت سوال کا جواب ہم بدھ کے دن اپنی اگلی کلاس میں دیں گے۔"

تین عظیم اساتذہ جو ہمیں ہمارے محبت کرنے والے رب سے متعارف کرواتے ہیں

طلباء نے خاموشی سے اپنے بیگ اٹھائے اور کلاس روم سے نکل گئے۔ چار یا پانچ طلباء آپس میں باتیں کرتے ہوئے اسکول کے سامنے کتابوں کی دکان کی طرف چلے گئے۔ جب وہ داخل ہوئے تو انکل عمر ہمیشہ کی طرح انہیں اپنی میز پر بیٹھے کتاب پڑھتے ہوئے ملے۔ سنو فلیک بھی وہاں اپنی دلکشی کے ساتھ موجود تھی۔ انکل عمر نے انہیں مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور کہا: "خوش آمدید پیارے بچو!"

انکل عمر کی میز پر ایک رنگین گلدان تھا جس میں خوشبودار پھول تھے۔ علی اپنے دادا سے گلدان میں موجود پھولوں کو سونگھنے کی اجازت مانگنے ہی والا تھا کہ وہ غلطی سے گلدان سے ٹکرا گیا جس سے گلدان میز پر گر گیا۔ گلدان ٹوٹا تو نہیں لیکن اس سے ایک شور پیدا ہوا جس سے سنو فلیک نے "میاؤں" کی آواز نکالتے ہوئے انکل عمر کی گود میں

چھلانگ لگا دی۔ سب لوگ علی کی طرف دیکھنے لگے۔ علی حیران و پریشان اپنے دادا کی طرف دیکھ رہا ہے جسے دیکھ کر سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ پھر علی نے چہرے پر معمول کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے دادا کو کہا: "دادا ابو! مجھے معاف کر دیں یہ ایک حادثہ تھا۔"

انکل عمر نے صورتحال کو سمجھتے ہوئے جواب دیا: "کوئی بات نہیں علی! ایسی چیزیں ہو جاتی ہیں۔ ہم سب انسان ہیں اور غلطیاں کرنا ہماری فطرت ہے۔ جو چیز اہم ہے وہ ہماری انسانیت اور باہمی احترام و محبت ہے۔ لوگ ایک مسلمان سے اس کی میٹھی زبان، مسکراتے چہرے اور سمجھداری کی وجہ سے ہی محبت کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ترکی کے مقولے میں کہا گیا ہے: "جو اپنے دوست میں کمال تلاش کرتا ہے اسے کبھی کوئی دوست نہیں ملتا"

آپ سب کیسے ہیں؟ سب خیریت سے ہیں؟ ماشاء اللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سب ٹھیک ہیں۔ اسکول کیسا چل رہا ہے؟"

حسن نے کہا: "الحمدللہ بہت اچھا جا رہا ہے انکل عمر۔ ہماری آخری کلاس میں ہم نے اللہ پر ایمان کے موضوع پر بات چیت کی۔ ایمان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے میں اپنے دوستوں سے بات کر رہا تھا کہ اس موضوع پر ہم کونسی کتابیں پڑھ سکتے ہیں؟ اسی لیے ہم یہاں آگئے۔"

انکل عمر نے کہا: "بچو پہلے تو آپ لوگوں کو مبارک ہو اور میں ضرور اس معاملے میں آپ کی مدد کرنا چاہوں گا۔ جو شخص ایمان کی اہمیت کو سمجھتا ہے وہ بھی یہ سوچتا ہے کہ ایمان کو مضبوط کیسے کیا جائے۔ حقیقت میں ہماری تخلیق کا سب سے بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اس کی عبادت کریں۔ لہذا یہ سچ ہے کہ ہمیں اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو ایمان کے تین عظیم استاد ہیں جنہوں نے ہمیں ہمارے محبت کرنے والے رب سے متعارف کرایا ہے اور سب سے پہلے ہمیں ان کو سمجھنا اور ان سے سیکھنا چاہیے۔"

ابراھیم نے پوچھا: "وہ عظیم استاد کون ہیں انکل عمر؟"

انکل عمر نے جواب دیا: "ان تین عظیم اساتذہ میں سب سے پہلا استاد کائنات کی کتاب ہے، دوسرے استاد ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں اور تیسرا استاد قرآن کریم ہے ۔یہ ساری کائنات ایک کتاب کی طرح ہے جو ہمیں ہمارے رب سے متعارف کراتی ہے اور اس سے محبت کرواتی ہے۔ ہمیں کائنات کی کتاب کو پڑھنا چاہیے اور اس پر غور و فکر کرنا چاہیے۔ اس میں ہر چیز کو توجہ سے دیکھنا چاہیے اور اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے رب نے قرآن کریم میں فرمایا ہے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے قرآن پر عمل کر کے ہمیں سکھایا ہے۔ ہم دیکھنے اور سوچنے کے اس عمل کو تدبر کہتے ہیں۔ کیا آپ لوگ قرآن میں موجود تدبر کی ایک مثال کے بارے میں جاننا چاہیں گے؟"

بچوں نے ایک آواز میں کہا: "جی ہاں!"

ابراہیم نے کہا: " انکل عمر! کیا ایسا ممکن ہے کہ یہ مثال کسی نبی کی زندگی سے متعلق ہو؟"

اسی دوران کتابوں کی دکان پر کام کرنے والا عملہ گفتگو گہرائی کو دیکھتے ہوئے میز پر گرم چائے اور خشک میوہ جات لے آیا۔ انکل عمر نے عملے کا شکریہ ادا کیا اور انہیں کہا کہ وہ چائے پہلے بچوں کو پیش کریں جو کہ مستقبل کی امید ہیں۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا: "کیوں نہیں ابراہیم! تم پہلے تازہ چائے کے ساتھ خشک میوہ جات کا لطف اٹھاؤ۔ ہماری مثال ایک نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی کے ایک واقعے سے متعلق ہے۔"

مصطفیٰ اپنے دوست ابراہیم کی طرف مڑا اور آہستہ سے کہا:"دیکھو ابراہیم یہ واقعہ تمہارے نام سے متعلق ہے۔"

انکل عمر نے شفقت بھرے لہجے میں کہا: "پیارے بچو! سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمہاری ہی طرح نوجوان تھے۔ ان کے زمانے میں اللہ پر ایمان نہیں تھااور لوگ بتوں کو پوجتے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بت پرستی عقل کے بالکل خلاف لگی لہذا وہ اپنے رب کو تلاش کرنے لگے ۔ ایک رات انہوں نے آسمان پر ایک ستارہ دیکھا اور سوچا:کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے؟' لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ستارہ غروب ہو کر غائب ہو گیا ہے تو انہوں نے کہا: مجھے غروب ہو جانے والے پسند نہیں۔ یہ ستارہ میرا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے چاند کو آسمان پر اُبھرتے دیکھا اور گہری سوچ میں پڑ گئے:کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے؟'لیکن صبح انہوں نے دیکھا کہ وہ بھی غروب ہو گیا ہے تو انہوں نے کہا:چاند بھی میرا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے اللہ سے دعا کی: اے رب! اگر تو صحیح راستے کی طرف میری رہنمائی نہیں کرے گا تو میں کبھی بھی صحیح رستے کو نہیں پا سکوں گا۔'"

علی نے جوش و خروش سے پوچھا: "اور پھر کیا ہوا دادا ابو؟ کیا اس دعا کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کو پا لیا؟"

انکل عمر نے جواب دیا: "بالکل علی! تم ہمیشہ ہی اتنے پرجوش ہوتے ہو میں ابھی تمہیں بتانے والا تھا۔ صبح جب سورج طلوع ہوا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سوچا:سورج بہت بڑا ہے یہ شاید میرا رب ہے؟ جب انہوں نے دیکھا کہ شام کو سورج بھی غروب ہو گیاہے تو انہوں نے جان لیا کہ خالق حقیقی کی صفات وہ ہونی چاہئیں جو غروب نہ ہوں، غائب نہ ہوں، ختم نہ ہوں اور فنا نہ ہوں۔ یوں انہوں نے اللہ کو پالیا اور کہا :" میں نے اپنا رخ اس کی طرف پھیر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔"

مصطفیٰ کہنے لگا: "کتنی خوبصورت بات ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کائنات کی کتاب کو پڑھ کر اپنے رب کی تلاش کی اور اس تدبر و تفکر کے ذریعے ہمیں سکھایا کہ حقیقی خدا میں کیا صفات ہونی چاہئیں۔"

علی نے کہا: "دادا ابو!اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اللہ کے ہونے پر یقین نہیں رکھتے۔ ہمیں اس کو کیسے دیکھنا چاہیے؟"

انکل عمر نے کہا: " یہ بھی ایک اچھا سوال ہے۔ ہم سب امتحان میں ہیں میرے عزیزو!۔ ہمارے رب نے ہمیں ایمان لانے یا نہ لانے کی آزادی دی ہے۔ کچھ لوگوں

نے اللہ کی نشانیاں دیکھ کر اسے پالیا جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکار، لیکن کچھ لوگوں نے اللہ کو قبول نہیں کیا اور بے عقلی والے دعوے کیے۔ ہمارے رب نے انسانوں کو عقل دی ہے اور ایک محدود زندگی دی ہے اور پھر اپنے آثار، برکتیں اور نعمتیں دنیا میں رکھ کر انسانوں کو فیصلہ کرنے کی آزادی دے دی ہے۔ جب کوئی بندہ اپنی عقل اور ضمیر سے سوچتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ ایک سادہ سی سوئی بھی اپنے آپ وجود میں نہیں آتی۔ ایک سوئی کا بھی کوئی ڈیزائنر اور بنانے والا ہوتا ہے۔ ہم "اللہ موجود ہے" اس لیے نہیں کہتے کہ باقی سب یہی کہتے ہیں بلکہ ہم "اللہ موجود ہے" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ واقعی موجود ہے اور ہم اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں۔ ہم اللہ پر ثبوت کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ اگر کوئی چیز موجود ہے تو اس کے وجود کا ثبوت دینا آسان ہے۔"

مصطفیٰ نے کچھ الجھن میں کہا: "انکل عمر! بات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی "

انکل عمر نے پاس ہی الماری سے ایک ڈکشنری لادی اور مصطفیٰ کو دیتے ہوئے کہا: "مصطفیٰ! کیا تم اس میں لفظ "اللہ" تلاش کر سکتے ہو؟"

مصطفیٰ نے فوراً "الف" کے حرف کے نیچے لفظ "اللہ" تلاش کر لیا اور کہا: "میں نے ڈھونڈ لیا انکل عمر! یہ صفحہ آٹھ پر ہے۔"

انکل عمر نے جواب دیا: "تم نے لفظ "اللہ" آسانی سے اس لیے ڈھونڈ لیا کیونکہ یہ ڈکشنری میں موجود ہے۔ اب ذرا ہمارے لیے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ لفظ "اللہ" اس ڈکشنری میں موجود نہیں ہے۔"

مصطفیٰ نے کہا: "یہ بہت مشکل ہے انکل عمر! مجھے ایک کے بعد ایک ہر صفحے پر یہ لفظ موجود نہ ہونے کا ثبوت دینا پڑے گا۔"

انکل عمر نے کہا: "ہاں بالکل میرے نوجوان دوستو! کسی چیز کے وجود کو ثابت کرنا

آسان ہے لیکن اس کی عدم موجودگی کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ ہم مسلمان آسانی سے اللہ کے وجود کو ثابت کر سکتے ہیں لیکن ایمان نہ رکھنے والے لوگ اللہ کی عدم موجودگی کو ثابت نہیں کر سکتے۔"

انکل عمر طلباء کو دکان کے دروازے کی طرف لے گئے اور سورج کی طرف اشارہ کیا جس کی روشنی باہر جھلک رہی تھی اور کہا: "میرے عزیزو! اگر کچھ لوگ اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ وہ اسے نہ دیکھ سکیں تو کیا سورج غائب ہو جائے گا ؟"

طلباء نے جواب دیا: "نہیں بس اتنا ہو گا کہ وہ لوگ سورج کو نہیں دیکھیں گے سورج تو وہیں موجود رہے گا۔"

انکل عمر نے علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "دیکھو علی! جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ بس اللہ کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رہے ہیں جس کا وجود سورج کی طرح واضح ہے۔"

کیا ایمان کے درجے ہوتے ہیں؟

بدھ کا دن تھا اور معمول کے مطابق یوسف صاحب کی کلاس کا وقت تھا۔ ہر بار کی طرح یوسف صاحب نے طلباء سے ان کا حال چال پوچھا۔ پھر انہوں نے نصیبہ کی طرف دیکھا جس نے پچھلی کلاس میں سوال پوچھا تھا:

"نصیبہ! تم نے سوموار کو ہماری پچھلی کلاس میں ایک سوال پوچھا تھا اور میں جواب نہیں دے سکا تھا کیونکہ گھنٹی بج گئی تھی۔ کیا تم کلاس کو وہ سوال یاد دلا سکتی ہو۔"

نصیبہ نے کہا: "سر! میں نے پوچھا تھا کہ کیا ایمان کی مختلف اقسام اور درجات ہوتے ہیں؟"

یوسف صاحب نے کہا: "آج موسم بہت اچھا ہے، چلو آؤ! اس سوال کا جواب ہم باغ میں بلوط کے درخت کے نیچے بیٹھ کر دیتے ہیں۔"

انہوں نے پوری کلاس کو باغ میں لے جا کر بٹھایا۔ اکتوبر کا مہینہ تھا لیکن باہر ابھی بھی گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پھولوں کے درمیان بیٹھے اور بات چیت کرنے لگے۔ طلباء کو حیرت کا سامنا ہوا کیونکہ ایک خوبصورت ٹرے میں تقریباً بیس سرخ، پکے ہوئے اور بڑے سیب موجود تھے۔

یوسف صاحب نے کہا: "پہلے ان سیبوں کو کھاتے ہیں اور پھر ہم ایمان کی اقسام کے بارے میں بات کریں گے جو اس کے مختلف درجات سے پیدا ہوتی ہیں۔ سعید بیٹا! میں نے سیب دھو کر رکھے ہیں۔ کیا تم اپنے دوستوں کو یہ سیب پیش کر سکتے ہو؟" کلاس کے مانیٹر سعید نے ٹرے اٹھائی اور اپنے دوستوں کو پیش کی ۔ہر ایک نے ایک سیب لے لیا۔

یوسف صاحب نے کہا: "بسم اللہ! میرے پیارے بچو! کھانا شروع کریں!"

انہوں نے اپنے استاد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سیب کھانا شروع کیا ۔خاص طور پر علی نے کہا: "سیب واقعی بہت مزیدار ہیں سر!"

یوسف صاحب نے اپنا سیب کھاتے ہوئے کہا: " میرے بچو اس کا لطف اٹھاؤ۔ حقیقی شکر

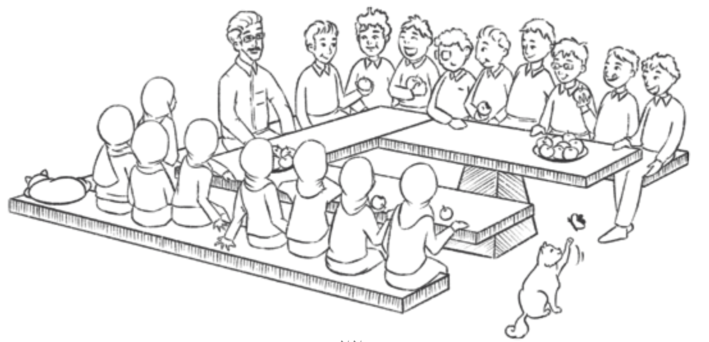

تو ہمارے رب کا ہے جس نے ہمیں سیب کی یہ نعمت عطا کی۔ میری آپ سب سے درخواست ہے کہ جب آپ سیب کھا چکیں تو بیج نکال کے رکھ لیں انہیں پھینکیں نہیں۔"

جب انہوں نے سیب کھا لیے تو واپس سبق کی جانب آئے۔ یوسف صاحب نے اپنے سیب سے پانچ یا چھ بیج نکالے اور طلباء سے بھی یہی کرنے کے لیے کہا۔ سب کے ہاتھوں میں گہرے رنگ کے بیج تھے۔

یوسف صاحب کہنے لگے: "میرے عزیزو! ہم ایمان کے مختلف درجات پر بات کر رہے ہیں اور یہ سیب کے بیج اس موضوع پر ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔ آئیے اسے اس طرح سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ان سیب کے بیجوں میں سے کسی ایک کو زمین میں بو دیں تو مناسب حالات فراہم کرنے پر بیج پہلے زمین کے نیچے پھوٹے گا۔ کچھ عرصے بعد یہ سطح پر نمودار گا اور ایک پودا بن جائے گا۔ جیسے جیسے یہ بڑھتا جائے گا مضبوط ہوتا جائے گا اور آخر کار یہ سیب کا ایک بڑا پھلدار اور سایہ دار درخت بن جائے گا۔ در حقیقت یہ تمام مراحل سیب کے درخت کی زندگی کے مراحل ہیں۔

میرے پیارے دوستو! جیسے سیب کے بیج اور اس کے مکمل درخت کے درمیان مراحل اور درجے ہوتے ہیں اسی طرح ایمان میں بھی بہت سے درجے اور مراحل ہوتے ہیں۔ بندہ ان درجات اور مراحل سے گزر کر اپنے ایمان کو ترقی دے سکتا ہے اور اسے مضبوط بنا سکتا ہے۔ نصیبہ! میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں: کون سا کام زیادہ مشکل ہے؟ سیب کے ایک نرم پودے کو زمین سے اکھاڑنا یا ایک مضبوط اور گہری جڑوں والے سیب کے درخت کو اکھاڑنا؟"

نصیبہ نے جواب دیا: "سیب کا درخت سر۔ اسے اکھاڑنا واقعی مشکل ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "بالکل صحیح۔ ایک بڑے درخت کو اکھاڑنا کبھی بھی آسان نہیں ہوتا کیونکہ یہ زمین میں گہرائی تک جڑیں پھیلا چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح جتنا مضبوط ایمان ہوتا ہے اتنا ہی یہ اس شخص کی روح کی گہرائیوں میں جا کر جڑیں پھیلا لیتا ہے اور اتنا مضبوط بن جاتا ہے کہ اسے اکھاڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس بلوط کے درخت کو دیکھو جس کے نیچے ہم بیٹھے ہیں۔ اس کی جڑیں ہر طرف پھیلتی ہیں۔ کیا ایسا درخت آسانی سے اکھڑا جا سکتا ہے؟"

مصطفی نے پوچھا: "سر! کیا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کو ترقی کے ان مختلف مراحل اور درجات کے اعتبار سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "جی ہاں، بالکل صحیح ۔ ایمان کو اس کی ترقی کے درجے کے اعتبار سے دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایمان کی دو بنیادی اقسام ہیں: کمزور ایمان اور مضبوط ایمان۔ کمزور اور مضبوط ایمان کی وضاحت میں ایک مثال سے کرتا ہوں۔ میرے پیارے دوستو! اگر بازار میں ایک امیر شخص کے لیے مختلف سامان کی بڑی مقدار آئے تو ہم دو طریقوں سے یہ جان سکتے ہیں کہ یہ سامان فلاں شخص کا ہے۔ پہلا طریقہ ہے سطحی نظر سے دیکھنا جس میں ہم یہ کہتے ہیں کہ :" اگر یہ سامان کسی کا ہے تو یہ ضرور اسی امیر شخص کا ہو گا۔ یہ سارا سامان کسی اور کا نہیں ہو سکتا"۔ اس طرح سوچنا سطحی ہے۔

یاوز نے کہا: "لیکن سر! کیا اس طرح سے دیکھنا اور سوچنا ایک طرح سے ایسا نہیں ہے جیسے کسی خاص بات کو عام کر کے دیکھنا؟"

یوسف صاحب نے کہا: "بالکل درست۔ دیکھنے اور سوچنے کا یہ انداز عمومی اندازوں اور سطحی مفروضوں پر مبنی ہے کیونکہ اس طرح سوچنے والے شخص سے کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ سامان جو تم دیکھ رہے ہو یہ اس شخص کا نہیں ہے بلکہ یہ تو کسی اور کا ہے

یا اس میں سے کچھ سامان کسی اور کا ہے۔ پھر سطحی نظر رکھنے والا یہ شخص فوراً اپنی رائے واپس لے گا اور کہے گا:" بالکل یہ بھی درست ہو سکتا ہے۔" کیونکہ اس کے پاس اس کے علاوہ کچھ اور کہنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔"

یاوز نے پوچھا:" تو پھر وہ دوسرا طریقہ کیا ہے سر؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا" دوسرا طریقہ محتاط مشاہدے اور مطالعے کے ذریعے دیکھنا ہے۔ یہ طریقہ استعمال کرنے والا شخص ہر چیز پر اس کے مالک کی نشانی دیکھتا ہے اور اس نشانی کو دیکھ کر وہ سامان کے مالک کو پہچان لیتا ہے۔ اس طرح وہ یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ ان میں سے ہر چیز اسی شخص کی ہے اور کبھی بھی اس شک میں نہیں پڑتا کہ : "کیا یہ سب واقعی اس کا ہے؟" اگر کوئی اسے دھوکا دینے کی کوشش کرے تو وہ فوراً مالک کی نشانی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے: "یہاں موجود ہر چھوٹی بڑی چیز پر اس کی نشانی موجود ہے لہذا یہ سارا سامان اسی کا ہے۔"

میرے پیارے دوستو! اسی طرح ایمان کی بھی درجے کے لحاظ سے دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم کا ایمان وہ ہے جو اللہ کے ہونے اور ایک ہونے کے مطالعہ کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ یعنی والدین، رشتہ داروں اور پورے معاشرے کی تقلید کرتے ہوئے اللہ کے ہونے اور ایک ہونے قبول کر لینا۔ اس قسم کے ایمان کو تقلیدی ایمان بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ کمزور ایمان ہے کیونکہ اس درجے کے ایمان والا شخص یہ تو کہتا ہے کہ اللہ ہے اور وہ واحد ہے لیکن وہ اس کی تحقیق کرنے اور اسے ثابت کرنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر اسے صرف سطحی طور پر قبول کرتا ہے۔ ایسا شخص آسانی سے شک میں پڑ سکتا ہے۔

ابراہیم نے ہاتھ اٹھایا اور کہا: "سر، کیا اس قسم کے ایمان والے شخص کا ایمان پائیدار ہوتا ہے؟"

یوسف صاحب نے کہا: "اچھا سوال ہے۔ دوستو! بد قسمتی سے جو شخص ایمان کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ صرف تقلید کے ذریعے اسے حاصل کرتا ہے وہ اس بات کے بارے میں مضبوط یقین نہیں رکھ سکتا کہ اللہ ہر چیز کا مالک اور خالق ہے۔ اس کا ایمان پائیدار نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے ایسا شخص آسانی سے شک میں پڑ سکتا ہے۔ تو دوستو! ہم نے اب اس ایمان کو تو سمجھ لیا جو ہم معاشرے سے تقلید کے ذریعے سیکھتے ہیں۔ آئیے اب ہم مضبوط ایمان کی خصوصیات جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔"

کلاس کے مانیٹر سعید نے بولنے کی اجازت مانگی اور کہا: " سر ! آپ کے مطابق مضبوط ایمان کے لیے مطالعہ، سوالات اور تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟"

یوسف صاحب نے کہا: "جی ہاں۔ بالکل ایسا ہی ہے۔"

بیٹل نے کہا: "تو سر ! کیا مطالعہ، سوالات اور تحقیق کے ذریعے ہم اپنے رب کے ہونے اور ایک ہونے کے ثبوت تلاش کریں گے ؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "جی ہاں۔ مضبوط ایمان کی خصوصیات ظاہر ہونا شروع ہو رہی ہیں۔ میرے پیارے دوستو! مضبوط ایمان کے لیے ابتدائی طور پر تحقیق ضروری ہے۔ تحقیق کے ذریعے اللہ کے ہونے اور ایک ہونے کو جان لینا ممکن ہے۔ جو شخص ایمان کی مضبوطی کے اس درجے تک پہنچتا ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ اللہ ہر چیز کا مالک ہے کیونکہ اس کے پاس ثبوت ہے۔ اس ثبوت کی وجہ سے وہ یقین کے ساتھ تصدیق کرتا ہے کہ اللہ ہی تمام مخلوقات کو تخلیق کرتا ہے اور ان کا انتظام کرتا ہے۔ ایسے ایمان والا شخص تمام مخلوقات میں اللہ ہی کے نشان دیکھتا ہے۔ وہ ذرہ برابر شک کے بغیر ایمان رکھتا ہے۔ وہ جس چیز پر بھی نظر ڈالتا ہے اسے اللہ ہی کا سمجھتا ہے اور یہ حقیقت وہ دوسروں کو بھی بتاتا ہے۔ ایسا شخص جو ایمان کے اس درجے تک پہنچ جاتا ہے وہ پھر کبھی شک میں نہیں پڑتا کیونکہ اس کا ایمان بہت مضبوط ہو جاتا ہے۔ یہ ایمان اس شخص کے دل میں گھر کر لیتا ہے اور اس میں گہری جڑیں پکڑ

لیتا ہے اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسے مضبوط ایمان کو گرانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

کلاس کی ایک خاموش طالبہ الیف نے کہا: "سر! کیا آپ ہمیں یہ مزید وضاحت کر سکتے ہیں کہ ایمان ہمارے دلوں میں گھر کیسے کرتا ہے؟ کسی دوسرے کو یہ بات سمجھانے کے لیے اور کون سی مثالیں ہم دے سکتے ہیں؟ "

علی نے کہا: "جی سر میں بھی یہ بات جاننا چاہتا ہوں جو الیف نے پوچھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارا ایمان اتنا مضبوط اور گہرا ہو جائے کہ یہ کبھی ہم سے الگ نہ ہو سکے اور نہ ہی کبھی ہم کسی قسم کے شک میں پڑیں۔ "

یوسف صاحب نے کہا: "زبردست، اس معاملے میں دوسروں کی مدد کرنے کا خیال بہت اچھا ہے۔ ذرا تصور کریں کہ ایمان اس روحانی غذا کی طرح ہے جس کی ہمارے دلوں کو ضرورت ہے۔ اس ٹرے پر رکھے ہوئے سیبوں کے بارے میں ہی سوچ لیتے ہیں۔ الیف ! ایک سیب اٹھاؤ۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کوئی اس سیب کو آپ کے ہاتھ سے زبردستی لے جا سکتا ہے؟"

الیف نے کہا: "جی سر، اس کو زبردستی لے جایا جا سکتا ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "بالکل صحیح، یہ ممکن ہے۔ اچھا اب اگر آپ نے اس سیب کو کھا لیا اور اسے ہضم کر لیا۔ پھر یہ آپ کے خون میں شامل ہو گیا اور آپ کے خلیوں میں پھیل گیا تو کیا تب کوئی آپ سے یہ سیب لے سکتا ہے؟"

الیف نے کہا: "نہیں سر کوئی نہیں۔ جب میں نے اسے ہضم کر لیا اور یہ

میرا حصہ بن گیا تب تو کوئی بھی مجھ سے یہ سیب نہیں لے جا سکتا۔"

یوسف صاحب نے کہا: " ایسے ہی ایمان مضبوط بنتا ہے۔ مضبوط ایمان بندے کے دل کی گہرائی میں بیٹھتا ہے، وہاں یہ جڑ پکڑتا ہے اور بلوط کے درخت کی طرح مضبوط ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی اس مضبوط ایمان کو اس شخص کے دل سے نہیں نکال سکتا اگر وہ اپنے ایمان کی دلیل اور ثبوت کو جانتا ہو اور اسے اپنے اندر گہرائی سے محسوس کرتا ہو۔ ایسا شخص اپنے ایمان کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔"

علی اس مثال سے بہت متاثر ہوا اور پر جوش انداز میں بولا: "جی بالکل سر، اللہ نے چاہا تو کوئی بھی ہمارے دلوں سے ایسے ایمان کو جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتا۔"

سعید نے پر عزم لہجے میں کہا: "سر، اب میں بہتر طور پر سمجھ گیا ہوں کہ کچھ لوگ ایمان سے متعلق چیزوں میں شک میں کیوں پڑ جاتے ہیں اور جب ہمارا ایمان کمزور ہوتا ہے تو ہم ہر چیز کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ اس لیے مجھے اپنے ایمان کو مزید مضبوط کرنے پر کام کرنا چاہیے۔"

یوسف صاحب نے سعید کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے سر ہلایا اور پھر کہا: "میرے دوستو! جس شخص کا ایمان مضبوط ہوتا ہے وہ ہر چیز میں اللہ کے ہونے اور ایک ہونے کو دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً آئیں ہم یہاں اپنے اسکول کی عمارت پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ ایک صدی پہلے بنی تھی اور ہم نے اس عمارت کے ڈیزائن اور تعمیر کرنے والے انجنیئر کو نہیں دیکھا یا ملاقات نہیں کی لیکن ہم مکمل طور پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی انجنیئر ضرور تھا جس نے اس کا منصوبہ بنایا اور اسے تعمیر کیا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

طلباء نے کہا: "جی بالکل پروفیسر! یہ خوبصورت عمارت خود بخود کیسے وجود میں آ سکتی ہے؟"

یوسف صاحب نے کہا: بالکل درست دوستو! اس عمارت کے تراشے ہوئے پتھر خود بخود نہیں جڑ سکتے تھے۔ یہ خوبصورت، کشادہ عمارت ایک ایسے آدمی نے بنائی تھی جو یہ بھی

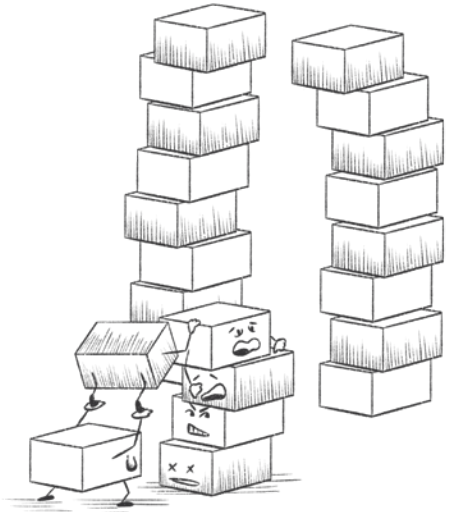

جانتا تھا کہ یہ انسانی رہائش کے لیے بنائی جا رہی ہے اور انسانوں کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ اپنے علم کی بنیاد پر اس نے پہلے بنیاد رکھی پھر دیواریں کھڑی کیں اور آخر میں چھت ڈالی۔ اگرچہ ہم عمارت کے انجنیئر کو نہیں دیکھ سکتے لیکن ہم اس عمارت کی خصوصیات کی بنیاد پر اس کے انجنیئر کے بارے میں ایک تصور قائم کر سکتے ہیں اور اس کی مختلف خصوصیات کو سمجھ سکتے ہیں۔

ہم بس معاملے کے ظاہر کو دیکھتے ہیں یا اس کی تہہ میں جاتے ہیں؟

سبق اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری تھا۔ سعید نے دوبارہ بولنے کی اجازت مانگی اور کہا: "سر کیا ہم ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے غور و فکر کی کوئی اور مشق بھی کر سکتے ہیں ؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "بالکل! مثال کے طور پر آئیے ان سیبوں کے بارے میں سوچتے ہیں جو ہم نے کھائے۔ مضبوط ایمان رکھنے والا شخص سیب پر غور کرتا ہے اور یہ سمجھ جاتا ہے کہ شکل، رنگ، خوشبو اور ذائقہ وہ خصوصیات ہیں جو لوگوں کی پسند اور جذبات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ کیا ہم سب نے یہ اس وقت محسوس نہیں کیا جب ہم سیب کھا رہے تھے؟ بڑے بڑے، دلکش، رسیلے، خوشبو دار، مزیدار سیب۔ پھر ایک شخص اس کی تحقیق شروع کر دیتا ہے کہ یہ خصوصیات کیسے آئیں اور اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ صرف وہی ایک سیب میں یہ خصوصیات پیدا کر سکتا ہے جو نہ صرف انسانوں سے محبت کرتا ہے بلکہ انہیں اچھی طرح سمجھتا بھی ہے۔ مثال کے طور پر

صرف وہی ہمیں وٹامنز سے بھرے سیب دے سکتا ہے جو ہماری وٹامنز کی ضرورت جانتا ہے۔ پھر وہ شخص زمین، پانی، ہوا، اور درخت پر نظر ڈالتا ہے جو سیب کے بننے کے عمل کا حصہ ہیں اور یہ سوال کرتا ہے کہ کیا یہ سب چیزیں واقعی ان خصوصیات کے بارے میں خود سے سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں جو ہم ایک سیب میں دیکھتے ہیں؟ کیا ان میں ایسی قابلیت ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہوئے وہ اس حقیقت تک پہنچ جاتا ہے کہ کبھی بھی درخت، زمین یا دیگر ایسی چیزیں جن میں علم، شعور اور احساس نہیں ہے وہ سیب کی شکل، حیرت انگیز ذائقہ، اور شاندار خوشبو جیسی خصوصیات خود سے پیدا نہیں کر سکتیں۔"

یوسف صاحب بچوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ایک لمحے کے لیے رکے اور پھر بات کو جاری رکھا: "میرے دوستو! یہاں دیکھنے کے انداز کا ایک بہت اہم فرق ہے۔ سیب کو اوپر سے دیکھنا اور سیب کے اندر تک دیکھنا یہ دو مختلف اندازِ نظر ہیں۔ اگر آپ صرف سیب کو اوپر سے دیکھیں گے تو آپ اس کی جسمانی خصوصیات دیکھیں گے یہ سوچے بغیر کہ اسے کس نے بنایا ہے اور آپ سیب میں موجود مفید وٹامنز کے بارے میں بات کریں گے اس بات پر زیادہ غور کیے بغیر کہ وہ وٹامنز سیب میں کس نے رکھے ہیں۔ آپ اللہ کی قدرت کو پوری طرح تسلیم نہیں کر سکیں گے جس نے سیب کو پیدا کیا اور ہمیں عطا کیا۔ لیکن جب آپ سیب کے اندر تک دیکھتے ہیں تو سیب ایک شے بن جاتا ہے اور آپ سوچنے لگتے ہیں کہ اس شے کو کس نے تخلیق کیا اور کس نے اسے بنانے کا آغاز کیا۔ جب آپ سیب کے اندر تک دیکھتے ہیں تو یہ ایک فن پارہ بن جاتا ہے اور آپ اس کے فنکار کی تلاش شروع کرتے ہیں۔ آپ پوچھتے ہیں: کس نے اس خوبصورت پھل کو شاخوں پر لٹکایا؟ کس نے اسے ہماری پسند اور طبیعت کے مطابق اندر اور باہر سے سجایا؟ کس نے سیب کو ان صحت افزا وٹامنز سے بھر دیا جن کی ہمیں ضرورت ہے؟ پھر آپ سیب میں موجود کمالات کے کاریگر کی تلاش کرتے ہیں۔ دیکھنے کے اس انداز کے ذریعے آپ یہ حقیقت سمجھ جاتے ہیں کہ سیب

کی خوبصورت شکل، حیرت انگیز خوشبو اور مزیدار ذائقہ اللہ ہی کی جانب سے ہیں جو ہمیں اچھی طرح جانتا ہے اور ہماری پرواہ کرتا ہے۔ اس اندازِ نظر کے ذریعے آپ یہ نہیں کہتے کہ "کتنا خوبصورت سیب ہے" بلکہ کہتے ہیں "کتنی خوبصورتی سے بنایا گیا سیب ہے اور ہمارے لیے کتنے ہی عمدہ انداز میں اسے تخلیق کیا گیا ہے"۔ اس طرح آپ یہ حقیقت جان جاتے ہیں کہ سیب کی خوبصورتی اور فوائد زمین، پانی، یا ہوا کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ مالک حقیقی اللہ کی جانب سے ہیں۔ یوں آپ یہ بات سمجھ جاتے ہیں کہ ہمارے رحم کرنے والے، کرم کرنے والے، علم رکھنے والے اور طاقتور رب نے ہی ہمیں ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے جیسے اس نے ہمیں اس سیب سے نوازا ہے۔

علی کچھ نیا سیکھنے کے جوش میں بولا: "سر! کیا میں اس موضوع پر ایک بات بتا سکتا ہوں؟ مجھے لگتا ہے کہ یہ ہمارے سبق میں اچھا اضافہ ہو گا۔"

یوسف صاحب نے سر ہلایا اور کہا: "ضرور بتاؤ علی!"

علی کہنے لگا: "میری والدہ نے میری چھوٹی بہن کے لیے ویک اینڈ پر ایک خوبصورت کیک بنایا۔ میرے دادا دادی بھی ہمیں ملنے آئے۔ کیک بہت مزیدار تھا۔ اس کے اندر چاکلیٹ اور باہر کریم تھی اور اوپر اسٹرابیری سے سجاوٹ کی ہوئی تھی۔"

مصطفی نے کہا: "علی! رک جاؤ۔ تم تو کیک کو اس طرح بیان کر رہے ہو کہ ہمارے منہ میں پانی آ رہا ہے۔"

علی نے کہا: "معاف کرنا دوستو! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن کیک کو اس طرح بیان کرنا ضروری ہے۔ میری والدہ نے تمام دوسرے کاموں کو نمٹانے کے ساتھ ساتھ اس کیک کو بنانے کے لیے بہت محنت کی اور جب ہم کیک کھانے والے تھے میرے دادا نے کہا: کیا آپ دونوں مہربانی کر کے چند لمحے انتظار کر سکتے ہیں؟ ہمارے ہاتھوں میں کانٹے تھے، ہماری نظریں کیک پر تھیں اور ہمارے منہ میں پانی تھا۔ پھر دادا ابو نے میری بہن سے ایک سوال پوچھا: "میری پیاری پوتی! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ جس شخص

نے یہ خوبصورت کیک بنایا ہے اور پیش کیا ہے وہ آپ سے محبت نہ کرتا ہو؟"

میری بہن نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور کہا: " دادا ابو! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ماں تو ظاہر ہے مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔"

دادا ابو نے کہا: "بہت اچھا، تمہاری ماں نے یہ کیک بالکل تمہاری پسند کے مطابق بنایا ہے کیونکہ وہ واقعی تم سے محبت کرتی ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟

میری بہن نے کہا: جی ہاں، دادا ابو!

دادا ابو نے کہا: میرے پیارے بچو! مجھے معاف کرنا کہ میں نے تمہیں کچھ دیر انتظار کروایا لیکن میں چاہتا تھا کہ یہ بات تمہارے ذہنوں میں مضبوطی سے بیٹھ جائے۔ اب میں تمہیں ایک زندگی کا سبق دینا چاہتا ہوں۔ ایک ایسا سبق جسے میں امید کرتا ہوں کہ تم کبھی نہیں بھولو گے۔ ایک لمحے کے لیے غور کریں: ان میں سے کون سا جملہ آپ کو اپنی ماں کی زیادہ یاد دلاتا ہے: "کتنا خوبصورت کیک ہے" یا "ہماری ماں نے اس کیک کو ہمارے لیے کتنی خوبصورتی سے بنایا ہے؟'

میری بہن اور میں نے جواب دیا: دوسرا والا، دادا ابو!

دادا ابو نے کہا: جی ہاں میرے قابل بچو! دوسرا اندازِ نظر بالکل مختلف ہے۔ اس نظر سے آپ اپنی ماں کی محبت اور شفقت کو سمجھتے ہیں اور اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اس نے اس خوبصورت کیک کو بنانے کے لیے اپنا وقت اور محنت دی۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ "کیک خوبصورت ہے" یا "کیک اچھا بن گیا ہے" تو اس وقت آپ اس بارے میں زیادہ نہیں سوچتے کہ اسے کس نے بنایا۔ لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ: " میری پسند کے بالکل مطابق کتنا خوبصورت کیک بنایا گیا ہے" تو آپ اپنی ماں کو یاد

کرتے رہتے ہیں جس نے یہ کیک بنایا۔ اب آئیے بسم اللہ کہتے ہیں اور آپ کی والدہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور پھر اس خوبصورت بنے ہوئے کیک کو کھاتے ہیں۔ اس کے بعد میں آپ سب کے لیے جو تحفے لایا ہوں وہ آپ کو دوں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ آپ کو بہت پسند آئیں گے۔ پھر انہوں نے کہا: میں ان شاء اللہ پھر کبھی بتاؤں گا کہ کائنات میں غور و فکر کرتے وقت اس اندازِ نظر کو کس طرح استعمال کیا جائے۔

علی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: سر! اب اس سیب کے مثال کی وجہ سے میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ دادا ابو در اصل ہمیں کیک کو صرف اوپر سے دیکھنے اور کیک کے اندر تک دیکھنے کا فرق بتانا چاہتے تھے۔

یوسف صاحب مسکرائے اور کہا: "علی! میں جانتا ہوں کہ تمہارے دادا تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ شاید تمہارے دادا کسی اور چیز کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں؟"

علی نے تھوڑا حیران ہو کر پوچھا: "وہ کیا، سر؟"

یوسف نے جواب دیا: "مثال کے طور پر وہ تمہیں یہ سکھا رہے ہیں کہ کسی تحفے کو بس اوپر سے دیکھنے اور تحفے کے اندر تک دیکھنے میں کیا فرق ہے"

علی خوشی سے ہنس پڑا اور بولا: "جی ہاں، آپ بالکل درست ہیں یہ تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں"

سعید، جو سبق کو توجہ سے سن رہا تھا اس نے تبصرہ کیا: "یہ اندازِ نظر تو واقعی مختلف ہے سر۔ یہ چیزوں کو دیکھنے کا ایک ایسا انداز ہے جو آپ کو خالق کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں اس سے آگاہ کیا۔"

سبق اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا اور گھنٹی بجنے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا۔ یوسف صاحب نے اعلان کیا: "دوستو! کل میں آپ کو ایک اچھی خبر دوں گا۔"

طلباء نے تجسس سے پوچھا؛ "وہ اچھی خبر کیا ہے سر؟"

یوسف صاحب نے ان کے تجسس کو ابھارتے ہوئے کہا: " کل تک سوچو وہ خبر کیا ہو سکتی ہے اور پھر کل جب آپ لوگ اسکول آؤ گے تو میں آپ لوگوں کو یہ خبر بتا دوں گا۔"

طلباء گھر چلے گئے یہ سوچتے ہوئے کہ "وہ خبر کیا ہو سکتی ہے جس کا ذکر یوسف صاحب نے کیا ہے؟" ان کا تجسس یہ جاننے کے لیے بہت بڑھ گیا کہ ان کے استاد کیا کہیں گے۔ کچھ طلباء نے پروگرام بنایا کہ وہ گھر واپس آنے اور رات کے کھانے کے بعد سکول کے سامنے لائبریری میں ملیں گے۔ اسی دوران الیف گھر واپس آئی، اپنی ماں کو سلام کیا، اسکول کا یونیفارم اتارا اور اپنی ماں کے تازہ بنائے ہوئے سیب کے بسکٹ کھانے لگی جو انہوں نے ابھی ہی اوون سے نکالے تھے۔ جب اس نے یہ بسکٹ دیکھے تو اسے سیب کو بس اوپر سے دیکھنے اور سیب کے اندر تک دیکھنے کا سبق یاد آیا اور اس نے اپنی ماں سے کہا: "ماں، آپ نے جو یہ بسکٹ بنائے ہیں یہ بہت شاندار ہیں! آپ کا شکریہ کہ آپ نے یہ ہمارے لیے بنائے!"

اس کی ماں نے جواب دیا: "خوش رہو بیٹی، تم کیسی ہو؟" اور پھر الیف کی ماں اس سے مزید حال احوال پوچھنے لگیں۔ الیف جب بھی اسکول سے واپس آتی اس کی ماں ہمیشہ اس سے پوچھتیں: "کیا تم نے آج اپنے اساتذہ سے کوئی سوال کیا بیٹی؟" پھر وہ کہتیں: "میری پیاری بچی: اگر سوال نہیں ہوں گے تو جواب بھی نہیں ہوں گے۔ بروقت سوال کرنا بہت اہم ہے۔ پھر وہ گنگنا کر یہ خوبصورت سی کہاوت سنانے لگتیں: "وہ نہیں جانتا اور وہ جان بھی کیسے سکتا ہے جب وہ سوال ہی نہیں پوچھتا؟ اگر وہ یہ بات جانتا ہوتا تو ضرور سوال پوچھتا۔ وہ سوال نہیں پوچھتااور وہ پوچھ بھی کیسے سکتا ہے جب وہ یہ بات ہی نہیں جانتا؟ اگر وہ سوال پوچھتا تو یہ بات ضرور جانتا۔"

الیف نے اپنی ماں کو جواب دیا: "جی ہاں امی جان! میں نے سوال پوچھا تھا" پھر اس نے فوراً اپنی ماں کے سامنے یوسف صاحب کا سبق مختصر طور پر بیان کیا اور جو کچھ اس نے سکول میں سیکھا تھا وہ سب بڑی خوشی سے بتایا۔

پھر الیف نے کہا: "امی جان! یوسف صاحب کل ہمیں کوئی اچھی خبر سنائیں گے اور میں اس بات کو جاننے کے لیے بہت بے تاب ہوں کہ آخر وہ ہے کیا۔ میں اور میرے دوست اس خبر کے بارے میں بہت متجسس ہیں۔"

اس کی ماں نے کہا: "تجسس اچھی بات ہے بیٹی لیکن صبر بھی بہت اچھی چیز ہے۔ بس صبر کے ساتھ انتظار کرو۔ یقینا آپ کے استاد کل آپ کو یہ خبر سنائیں گےاور پھر آپ سکون محسوس کریں گے۔"

الیف نے کہا: "امی جان !میں نے اور میری کلاس کے ساتھیوں نے چار بجے اپنے سکول کے سامنے کی لائبریری میں ملنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں چلی جاؤں"

اس کی ماں نے جواب دیا: "ٹھیک ہے بیٹی! اگر تم وقت پر گھر واپس آ جاؤ تو پھر جانے میں کوئی مسئلہ نہیں۔"

سنو فلیک (بلی کا نام) اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے

الیف لائبریری جانا چاہتی تھی اور وہ خاص طور پر سنو فلیک کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔ طلباء چار بجے لائبریری میں ایک دوسرے سے ملے جیسا کہ طے ہوا تھا۔ فاطمہ، نصیبہ، ریان اور بیٹل بالکل وقت پر پہنچے۔ کتابوں کی دکان میں خاموشی تھی اور سنو فلیک جو دکان کا مستقل حصہ تھی،اس نے دروازے پر آنے والوں کا استقبال کیا۔ آج وہ اور بھی زیادہ سفید لگ رہی تھی کیونکہ دوپہر کے سورج کی کرنیں اس کے بالوں پر پڑ رہی تھیں اور اسے مزید چمکا رہی تھیں۔ جب بچے کتابوں کی دکان پر پہنچے تو انہوں نے اپنے استاد یوسف صاحب کو بھی وہیں موجود پایا۔ وہ انکل عمر کے ساتھ کسی گہری گفتگو میں مشغول تھے۔ نوجوانوں نے انہیں سلام کیا۔ الیف عام طور پرتو خاموش ہی رہتی تھی لیکن صحیح سوالات پوچھنے میں ماہر تھی۔ وہ کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی جو وہ ایک عرصے سے سوچ رہی تھی۔ لائبریری کی خاموشی دیکھ کر اور اپنے استاد کو موجود

دیکھ کر اچانک اس نے کہا: "انکل عمر! کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتی ہوں؟"

انکل عمر نے کہا: "بالکل میری بیٹی الیف، ضرور"

الیف نے پوچھا: " آپ نے اپنی بلی کا نام سنو فلیک رکھا ہے کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے ؟"

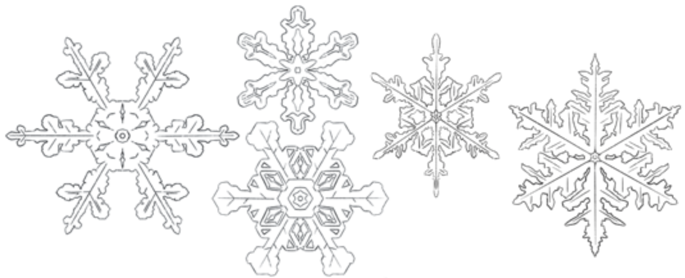

انکل عمر مسکرائے اور کہا: " تمہارا تجسس بالکل ٹھیک ہے۔ سنو فلیک بلیوں کے لیے عام نام نہیں ہے۔ دراصل یوسف صاحب بھی اس سوال کا جواب جانتے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے جواب دینا چاہیے یا نہیں۔"

یوسف صاحب نے احترام سے جواب دیا: "براہ کرم آپ ہی جواب د یجیے انکل عمر!"

انکل عمر نے بات شروع کی: "اچھا چلیں اگر یوسف صاحب مجھے اجازت دیتے ہیں تو میں بتاتا ہوں۔ الیف بیٹی! سردیوں کا موسم تھا اور ایک سرد برفانی شام میں ہم یہاں دکان میں یوسف صاحب جیسے دوستوں کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ اچانک برف باری تیز ہو گئی جس نے ایک نہایت خوبصورت منظر پیدا کیا۔ ہم اور ہمارے دوست میزوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حیرت سے برف باری کو دیکھنے لگے۔ برف کے ٹکڑے آپس میں ٹکرائے بغیر الگ الگ جگہ پر گر رہے تھے۔ اس وقت ہم گفتگو کر رہے تھے کہ کیسے برف کا ہر ٹکڑا دوسرے سے منفرد ہے اور ہر ٹکڑے کا الگ اور منفرد ہونا کیسے ہمارے رب کے ایک ہونے اور اس کے لامحدود علم کا ثبوت ہے۔ پھر اچانک ایک خوبصورت واقعہ رونما ہوا۔"

بچوں نے تجسس سے پوچھا: "کیا ہوا انکل عمر؟"

انکل عمر نے کہا: "اچانک ایک چھوٹی سی سفید بلی دکان کے دروازے پر آ گئی۔ وہ بھوکی تھی اور سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔ ہم فوراً اسے اندر لے آئے۔ ہم نے اسے ہیٹر کے قریب گرم کیا اور ایک خشک تولیے میں لپیٹ دیا۔ پھر اسے کچھ گرم دودھ دیا۔ جیسے ہی وہ گرم ہوئی، ہم سے مزید مانوس ہو گئی اور دل لبھانے والی حرکتیں کرنے لگی۔ جب اس نے کھانا کھا لیا تو خوشی سے کھیلنے لگی۔ ہم میں سے جو بھی یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ اس بلی کو بہت پسند کرنے لگے۔ جب ہم نے اس کا نام سوچنا شروع کیا تو کچھ نے "موتی" نام کا مشورہ دیا اور کچھ نے "روئی" نام کا۔ پھر یوسف صاحب نے کہا: "کیوں نہ ہم اس چھوٹی سی مہمان کا نام "سنو فلیک" رکھیں جو ہمارے پاس برف کے ٹکڑے گرنے کے درمیان آئی تھی؟" سب کو یہ خیال پسند آیا۔ تب سے ہم اسے سنو فلیک کہتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اسے بھی یہ نام بہت پسند ہے۔"

اتنے میں سنو فلیک اچانک چھلانگ لگا کر انکل عمر کی گود میں آ گئی جس پر پہلے سب حیران ہو گئے اور پھر ہنسنے لگے۔

فاطمہ نے اپنی چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا: "کیا میں بھی ایک سوال پوچھ سکتی ہوں سر؟"

یوسف صاحب نے کہا: "بالکل فاطمہ!"

فاطمہ پوچھنے لگی: "سر! جیسا کہ برف کے ہر ٹکڑے کا منفرد ہونا اللہ کے ایک ہونے کا ثبوت ہے تو برف کے ٹکڑوں کے علاوہ اور کون سی مخلوق کی مثال دی جا سکتی ہے کہ اللہ ایک ہے؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "یہ ایک اچھا سوال ہے۔" پھر انہوں نے سب سے کہا کہ وہ ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھیں۔ میز پر موجود لڑکیاں حیرانی سے ایک

دوسرے کے چہروں کو دیکھنے لگیں جبکہ سنو فلیک بلی انہیں دلچسپی سے گھور رہی تھی۔

یوسف صاحب نے پوچھا: "کیا ہمارے اسکول میں کوئی بھی دو لوگ ایسے ہیں جو دِکھنے میں بالکل ایک جیسے ہوں؟"

طلباء نے جواب دیا: "نہیں۔"

یوسف صاحب نے دوبارہ وہی بات پوچھی: "کیا ہمارے اسکول میں کوئی ایسا ہے جو ایک جیسا ہو؟"

طلبا نے دوبارہ کہا: "نہیں۔"

یوسف صاحب نے پوچھا: "اور Üsküdar "میں؟"

جواب تھا: "نہیں۔"

یوسف صاحب نے مزید پوچھا:"استنبول یا ترکی میں؟"

طلبا نے کہا :"کوئی نہیں سر۔"

یوسف صاحب نے اسی ایک سوال پر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ایشیا، یورپ یا پوری دنیا میں کسی کی موجودگی کے بارے میں پوچھا۔

طلبا مسلسل "نہیں" میں جواب دیتے رہے۔

پھر یوسف صاحب نے کہا: "تو میرے دوستو! ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اس بات سے کہ سب لوگوں کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اربوں لوگ ہیں اور کوئی دو چہرے ایک جیسے نہیں ہیں۔ ہر چہرہ صرف ایک شخص کو دیا جاتا ہے۔ وہ چہرہ نہ تو پہلے کسی کو دیا گیا ہے اور نہ بعد میں دیا جائے گا۔ ہر شخص کا ڈی این اے جس میں اس شخص کی تمام خصوصیات ڈالی گئی ہوتی ہیں وہ منفرد ہوتا ہے اور خاص طور پر اسی شخص کے لیے تیار کیا گیا ہوتا ہے۔ یہ سب حقائق اللہ کے ایک ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں جو تمام انسانوں کی خصوصیات کو جانتا ہے جنہیں وہ تخلیق کرتا ہے۔ وہ ان گنت امکانات میں سے اس منفرد چہرے اور اس ڈی این اے کو چنتا ہے اور تخلیق کرتا ہے۔ اللہ ان تمام مخلوقات کے چہروں کو جانتا ہے جو پیدا ہو چکی ہیں اور جو پیدا ہوں گی اور وہ ہر ایک کو ایک الگ اور منفرد چہرہ عطا کرتا ہے۔ اگر تمام چہرے ایک ہی خدا کے لامحدود علم سے نہ بنے ہوتے تو وہ ضرور کہیں نہ کہیں آپس میں مل جاتے۔ لہٰذا وہ ایک ذات جس نے سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے وہ اللہ ہے۔ ہمارا رب ہر شخص کو مختلف بنا کر اپنے لامحدود علم اور طاقت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔"

فاطمہ نے کہا: "سر! کیا فنگر پرنٹس بھی اس کی ایک مثال ہو سکتے ہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں؟"

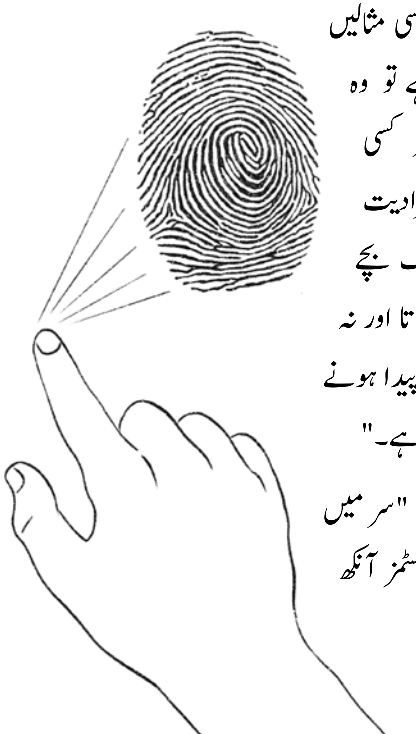

یوسف صاحب نے کہا:"بالکل فاطمہ۔ بہت سی مثالیں ہیں اور چونکہ ہمارے رب کا علم لامحدود ہے تو وہ جو فنگر پرنٹ ایک شخص کو دیتا ہے وہ پھر کسی اور کو نہیں دیتا۔ ہر انسان ایک مکمل انفرادیت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ جو فنگر پرنٹ ایک بچے کو دیا جاتا ہے وہ کسی اور بچے کو نہیں دیا جاتا اور نہ ہی آئندہ کبھی دیا جائے گا۔ اسی طرح ہر پیدا ہونے والے بچے کی آنکھ کی پُتلی بھی منفرد ہوتی ہے۔"

بیٹل نے بولنے کی اجازت مانگتے ہوئے کہا: "سر میں نے پڑھا ہے کہ کچھ بینکوں کے سیکیورٹی سسٹمز آنکھ کی پتلی کا پاسورڈ بنا کر کام کرتے ہیں۔"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "بالکل ،یہ درست ہے۔کئی جگہوں پر سیکیورٹی سسٹمز آنکھ کی پتلی کا پاسورڈ بنا کر کام کرتے ہیں جیسے کہ کچھ موبائل فونز، بینکنگ سسٹمز اور کچھ خاص داخلی دروازے وغیرہ۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ کیا عقل اس بات کو مان سکتی ہے کہ چہرہ پہچاننے والے فون، کیمروں اور داخلی دروازوں کا تو کوئی کاریگر ہو لیکن انسان کے مکمل چہرے اور اس کی حیرت انگیز آنکھوں کا کوئی خالق اور مالک نہ ہو؟ زمین پر موجود آٹھ ارب انسانوں میں سے ہر ایک کو انفرادی خصوصیات دینا صرف تب ممکن ہے جب ان کا ایک خالق ہو اور وہ لامحدود علم رکھتا ہو۔ اور جس طرح یہ بات اللہ کے ایک ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ ہر لمحہ کائنات کی تمام مخلوقات پر حکمرانی کر رہا ہے۔

کائنات کو مجموعی طور دیکھنا

نصیبہ نے کہا: "سر! مجھے ہمارے رب کی ہر لمحہ کائنات پر حکمرانی کا معاملہ بہت اہم لگتا ہے۔ کیا آپ اس موضوع کی مزید وضاحت کر سکتے ہیں؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "یہ واقعی اہم معاملہ ہے نصیبہ۔ ایک ہی رب ہے جو ہر لمحے کائنات کے ہر حصے پر حکمرانی کرتا ہے اور جب ہم کائنات کو مجموعی طور پر دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ کائنات میں ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی ایک مشترکہ مقصد کے تحت حرکت کرتی ہے اور ایک مشترکہ مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ حقیقت کہ بے جان مادے سمجھ بوجھ والے کام انجام دے رہے ہیں ، ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان مادی اشیاء کا کوئی معنی اور مقصد ہے۔ کون ہے جو ان تمام اشیاء کو ان کے مقصد کے گرد جمع کرتا ہے اور ان سے ان کے کام لیتا ہے؟ مثال کے طور پر بادل پودوں کی مدد کے لیے آتے ہیں، سورج تمام جانداروں کو زندگی کے ذرائع فراہم کرنے کے لیے تیزی سے حرکت کرتا ہے اور پودے جانوروں کی مدد کے لیے پروان چڑھتے ہیں۔ یہ سب ہم دیکھتے ہیں لیکن یہاں ایک بڑی خاص بات ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک دوسرے سے بے خبر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خدا ہے جو ہر لمحے تمام مخلوقات کو سنتا ہے اور ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ وہ اللہ ہے جو ان مخلوقات سے یہ کام لیتا ہے اور ان سے ایک دوسرے کی مدد کرواتا ہے۔"

انکل عمر نے سنو فلیک کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "آپ نے بہترین وضاحت کی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا جو مجھے بہت حیران کرتی ہے۔ وہ چیز جو تمام جانداروں کو زندہ رہنے کے لیے لازمی طور پر چاہیے وہ آکسیجن ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟"

نصیبہ نے کہا: " بالکل۔ اگر آکسیجن نہ ہو تو ہم سانس نہیں لے سکتے اور اگر ہم سانس نہ لیں تو ہم مر جائیں گے۔"

انکل عمر نے کہا: "جیسے ہی ہم پیدا ہوتے ہیں ہمیں بغیر کسی کوشش کے فوراً آکسیجن مل جاتی ہے۔ ہے نا؟"

طلبا نے جواب دیا: "جی بالکل انکل عمر۔"

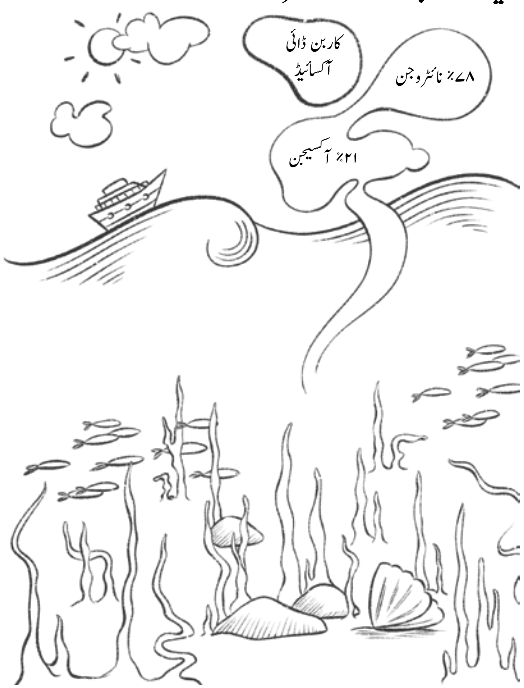

انکل عمر نے کہا: "مزید یہ کہ صرف ہم انسان ہی نہیں میرے عزیزو! بلکہ تمام جانداروں کو بھی..." اس لمحے سنو فلیک نے آہستہ سے میاؤں کی جیسے وہ کہنا چاہ رہی ہو: "میں بھی یہاں ہوں مجھے مت بھولیں!"

انکل عمر مسکرائے اور بات جاری رکھی: "مثال کے طور پر تمام بلیوں کو جیسے کہ سنو فلیک کو بھی پیدائش سے ہی آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا یہ محض اتفاق ہو سکتا

ہے کہ آکسیجن اتنی وافر مقدار میں ہماری ناک تک بغیر کسی تلاش کے پہنچتی ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے؟ پھر ایک اور اہم نکتہ ہے جیسے کہ سائنسدان کہتے ہیں کہ جس فضا میں ہم سانس لیتے ہیں اس کا 78 فیصد نائٹروجن اور 21 فیصد آکسیجن پر مشتمل ہے۔ یہ تناسب ہماری زندگی کے لیے بہت اہم ہے۔ اگر ہم خالص آکسیجن میں سانس لیتے تو یہ ہمیں آہستہ آہستہ مار ڈالتی کیونکہ خالص آکسیجن ہمارے خلیات کو نقصان پہنچاتی اور پھر زمین پر کوئی زندگی نہ باقی نہ رہتی ۔ اب ذرا سوچیں کہ کیا جانداروں کے لیے انتہائی ضروری فضائی گیسیں اور ان کے درست تناسب کو ایسی بے جان اشیاء وجود میں لا سکتی ہیں جن کے پاس نہ شعور ہے اور نہ انسانوں کا علم؟ آکسیجن کا موجود ہونا پہیے اور کاٹنے والے اوزاروں کی انسانی ایجاد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ ذرا توجہ دیجیے کہ کون ہے جو درختوں کو تخلیق کرتا ہے خاص طور پر اس سمندری الجی کو جو سب کے سب ہماری سب سے بنیادی ضرورت یعنی آکسیجن کو پیدا کرتے ہیں ۔ ان سب مادی اشیاء کے پیچھے ہمارا رب ہے جو انسانوں سے محبت کرتا ہے اور ہر لمحہ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ ہمارے رب نے سمندروں اور سمندروں میں پائی جانے والے الجی کو اس طرح بنایا ہے کہ زمین پرموجود تقریباً 80-70 فیصد آکسیجن اسی کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ باقی حصہ پودوں کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے الجی زمین پر زندگی کے لیے بہت ضروری ہیں۔ جب ہم کائنات کو مجموعی طور پر دیکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات کو ایک مشترکہ مقصد کی طرف رہنمائی دی گئی ہے اور یوں ہم اپنے واحد رب کو جاننے لگتے ہیں جو ہر لمحے تمام مخلوقات کو ایک مقصد کے گرد جمع کرتا ہے۔"

ریان نے تجسس سے پوچھا: "انکل عمر! اللہ اتنے سارے کام بغیر کسی مددگار کے کیسے کرتا ہے؟"

انکل عمر نے جواب دیا: "پیاری ریان! تم نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ ہم انسان اپنی کمزوری، لاعلمی اور حدود کی وجہ سے دوسروں کی مدد اور تعاون کے محتاج ہوتے ہیں۔

لیکن اللہ ایسا نہیں ہے اس کا علم اور قدرت لامحدود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہی تخلیق کی ہوئی مخلوق کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی ان سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسی نے تو ان تمام جاندار اور بے جان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ ہر چیز جو موجود ہے وہ موجود ہی اس وجہ سے ہے کہ اس نے اسے پیدا کیا ہے اور تمام مخلوقات اسی کی عنایت سے اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ کیا اللہ، جو ہر چیز کا خالق ہے وہ اپنی مخلوق کا محتاج ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ چونکہ ہمارے رب کی طاقت لامحدود ہے لہذا اسے کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے اور چونکہ اس کی دولت

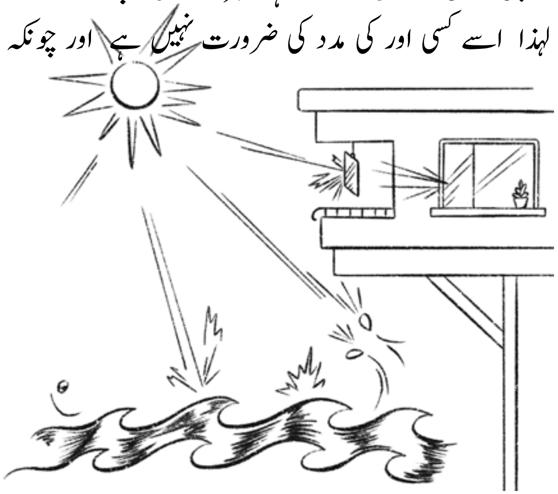

لامحدود ہے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اسے کسی کی ضرورت ہو۔

میرے عزیز دوستو! میں اس موضوع کو ایک مثال کے ساتھ سمجھانا چاہوں گا۔ مثال کے طور پر آسمان میں ہمارا سورج ایک ہے لیکن اس میں یہ خاصیت ہے کہ وہ چیزوں پر عکس ڈال سکتا ہے اور اسی لیے ہم سورج کے عکس کو ہر آئینے، چمکدار اشیاء اور پانی میں دیکھ سکتے ہیں۔یوں سورج ہر چمکدار چیز میں داخل ہوجاتا ہے اور اسے گرم اور روشن کرتا ہے۔ اس کا کسی ایک چیز یا جگہ میں موجود ہونا اسے اس بات سے نہیں روکتا کہ وہ دوسری جگہ بھی موجود ہو۔ سورج ہر چیز میں اپنے عکس، حرارت اور روشنی کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ یہ آسانی سے بیک وقت بہت سی جگہوں پر کام کرتا ہے اور

ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے اسے کسی دوسرے سورج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب آپ دیکھیں کہ سورج جو کہ ہمارے رب کی تخلیق ہے وہ ان گنت جگہوں پر بیک وقت کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس سورج کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو بھی ایک کام کرنا دوسرے کام کرنے سے نہیں روکتا۔ ہمارا واحد اور یکتا رب ہر جگہ ہر کام کو مکمل آسانی کے ساتھ انجام دیتا ہے اور اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ بیک وقت زمین کے کنارے پر ایک درخت کو غذا فراہم کرتا ہے، سمندر کی گہرائیوں میں مچھلی کو رزق دیتا ہے اور اسی آسانی سے کہکشاؤں کو ان کے مدار میں گھماتا ہے جیسے وہ ایٹمز کو گھماتا ہے۔"

ریان نے کہا: "بہت شکریہ انکل عمر۔ الحمدللہ آپ نے میرے ذہن میں اٹکے ہوئے سوال کا جواب دے دیا۔"

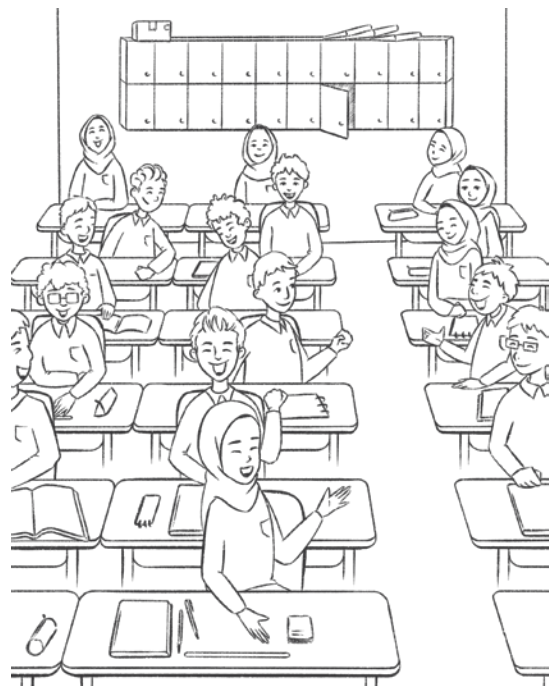

اگلی صبح پہلی کلاس سے پہلے جب یوسف صاحب کلاس میں آئے تو طلبا کا صبر بس ختم ہونے کو تھا۔

علی نے کہا: "سر! اس خوشخبری کے انتظار میں صبح سے وقت ہی نہیں گزر رہا۔ براہ کرم ہمیں وہ خبر سنائیں۔"

ریان نے کہا: "بالکل سر! وہ کیا خبر ہے جو آپ صرف ہماری کلاس کو بتانے والے ہیں؟"

مصطفیٰ نے کہا: "سر میرے تو گھر والے بھی اس خبر کو جاننے کے لیے بے تاب ہیں اور میں نے اپنی دادی کو بھی بتایا ہے اور وہ بھی اس خبر کو جاننے کے لیے پرجوش ہیں۔"

یوسف صاحب نے کلاس کے خاموش ہونے کا انتظار کیا اور پھر کہا: " آپ سب کو صبح بخیر ۔ دوستو! خبر یہ ہے کہ اس ہفتے کے آخر میں استنبول یونیورسٹی آف اسلام اینڈ سائنس میں مڈل اسکول کے طلبا کے لیے ایک خصوصی کانفرنس ہوگی۔ آپ کے کلاس ایڈوائزر کے طور پر میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اس ایونٹ میں شرکت کریں۔ کیا آپ شرکت کرنا پسند کریں گے؟"

ساری کلاس خوشی سے جھوم اٹھی ۔ طلبا بہت خوش ہوئے۔کلاس کا مانیٹر سعید کھڑا ہوا اور بولا: "جی سر! ہم ضرور آئیں گے۔ ٹھیک ہے نا دوستو؟"

پوری کلاس نے زور سے کہا: "یقیناً ہم ضرور آئیں گے۔"

یوسف صاحب نے کہا: " اچھا اب خاموش ہو جاؤ بچو! تاکہ دوسری کلاسیں پریشان نہ ہوں"

یاوز نے پوچھا: "سر! کانفرنس کا موضوع کیا ہوگا؟"

یوسف نے مسکرا کر جواب دیا: "ہاں یہ ایک اچھا اور متعلقہ سوال ہے۔ کانفرنس کا عنوان ہے "سائنسی علوم اللہ کے بارے میں بات کرتے ہیں"۔ میرا آپ سب کو

مشورہ ہے کہ اس میں ضرور شامل ہوں کیونکہ یہ ہمارے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین موقع ہے۔ اس کانفرنس میں شرکت ایمان کے بارے میں ہماری آگاہی کو بڑھانے کا ایک بہترین موقع ہے۔ اس کانفرنس میں مختلف شعبوں کے ماہرین مڈل اسکول کے طلباء کے سامنے مختصر گفتگو کریں گے اور روزمرہ کی زندگی سے مثالیں پیش کر کے ہمارے رب کا تعارف کرائیں گے۔"

طلبا ہفتے کا آخری دن اپنے پسندیدہ استاد کے ساتھ گزارنے کا موقع ملنے پر بہت خوش تھے۔ اس کے علاوہ کلاس کے بہت سے طلبا نے پہلے کبھی کسی یونیورسٹی کے کیمپس میں قدم نہیں رکھا تھا اس لیے ان سب نے کہا: "ٹھیک ہے" اور یوسف صاحب کی دعوت کو قبول کر لیا۔ طے یہ پایا کہ ہفتے کے دن وہ سب Uskudar کی بندرگاہ پر ملیں گے اور آبنائے باسفورس کو کشتی کے ذریعے عبور کریں گے اور پھر وہ کرائے کی ایک چھوٹی بس میں یونیورسٹی جائیں گے۔

یونیورسٹی کا سفر

کانفرنس کا دن شاندار موسم کے ساتھ آپہنچا۔ بچوں کے والدین انہیں ملاقات کی جگہ پر لے آئے اور انہیں اللہ کے حوالے کیا اور پھر انہیں یوسف صاحب کو سونپ دیا۔ طلبا اپنے اسکول یونیفارم میں نہیں تھے بلکہ اپنی پسند کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یوسف صاحب نے سفید شرٹ پر ایک سوٹ پہن رکھا تھا۔ کلاس کے مانیٹر سعید نے آخری بار فہرست چیک کی اور اعلان کیا: "فہرست مکمل ہے سر! ہم سترہ افراد بغیر کسی غیر حاضری کے یہاں جمع ہو چکے ہیں اور ہم روانہ ہونے کے لیے تیار ہیں۔"

طلباء ٹکٹ کاؤنٹر کی طرف چلے تاکہ کشتی پر سوار ہو سکیں۔ کشتی میں سوار ہونے کے بعد وہ اوپر والے عرشے پر چلے گئے تاکہ سمندر، آبنائے اور آسمان کا نظارہ کر سکیں۔ سمندر بہت پرسکون تھا اور سورج کی کرنیں اس کی سطح سے ٹکرا کر ایک شاندار عکس بنا رہی تھیں۔ ایک ہلکی سی ہوا سب کے بالوں سے کھیل رہی تھی اور بگلے اس قدر قریب اڑ

رہے تھے کہ جیسے ان کا استقبال کر رہے ہوں۔ کشتی میں موجود سموسے وغیرہ بیچنے والا زور سے پکار رہا تھا: "سینڈوچ اور پیسٹری! تازہ اور مزیدار! یہاں پیسٹری دستیاب ہے!"

طلباء نے اس سے سینڈوچ اور پیسٹری خریدنا شروع کر دیں اور ان کے ٹکڑے بگلوں کو پھینکنے لگے جو ہوا میں ناقابل یقین مہارت سے انہیں پکڑ لیتے اور انہیں کھانے کے لیے جلدی سے اڑ جاتے۔ طلبا اور کچھ مسافر حیرت سے انہیں دیکھتے اور ان کی اس عمدہ اور درست اڑان کی تعریف کرتے۔

یوسف صاحب نے طلبا سے کہا جن کے پاس اب پھینکنے کے لیے پیسٹری نہیں بچی تھی: "دوستو! کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ بگلے ہوا میں کیسے پرواز کرتے ہیں؟"

علی نے جواب دیا: "میں نے اس کے بارے میں کبھی سوچا تو نہیں لیکن میں جاننا ضرور چاہتا ہوں۔"

یوسف صاحب نے کہا: "یہ بہت اچھی بات ہے کہ تمہیں تجسس ہے علی! کیونکہ تجسس ہی تمام علوم کا استاد اور راہنما ہے۔ دوستو! تجسس لوگوں کو سوالات کرنے اور ان کے جوابات تلاش کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جتنا زیادہ تجسس ہو گا اور جتنے زیادہ ہم سوالات کریں گے اتنا ہی ہم اپنے اردگرد کی مخلوقات اور اس سے بھی زیادہ اہم ان کے خالق یعنی ہمارے رب کی شان پر حیران ہوتے جائیں گے۔

ہم کسی بھی شخص کو جاننے کے لیے سوالات کرتے ہیں تاکہ ہم اسے بہتر جان سکیں۔ ایسا ہی ہے نا؟ جتنا زیادہ ہم اس شخص کو جانتے ہیں اتنا ہی زیادہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں اپنے رب کو جاننے کے لیے بھی سوالات کرنے چاہئیں اور اس کی تخلیق کردہ مخلوقات کے بارے میں غور و فکر، تحقیق اور جستجو کرنی چاہیے۔

آئیے اس کی ایک مثال لیتے ہیں۔ یہ سوال آپ سب کے لیے ہے: انسانوں نے پہلی بار کب پروں والا ہوائی جہاز بنایا اور اس سے اڑان بھری؟"

ہوائی جہازوں اور ہوا بازی میں دلچسپی رکھنے والی نصیبہ نے بات کرنے کی اجازت چاہی

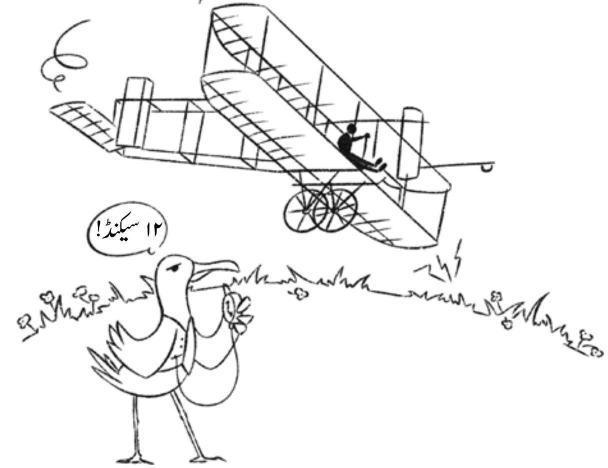

اور کہا : "سر! اگر میں غلط نہیں ہوں تو 20ویں صدی کے اوائل میں رائٹ برادرز نے وہ پروپیلر ہوائی جہاز بنایا تھا جس سے وہ اڑے تھے۔"

یوسف صاحب نے اس کی تعریف کی اور کہا: "شاباش نصیبہ! ہم انسانوں نے ہوائی جہازوں کے ساتھ 1903 میں پہلی پرواز کی جو کہ سو سال سے کچھ ہی زیادہ پہلے کی بات ہے۔ لیکن رائٹ برادرز کی پہلی پرواز صرف 12 سیکنڈ کی تھی جبکہ پرندے، مکھی اور شہد کی مکھیاں صدیوں سے پرواز کر رہی ہیں۔ اب ہمیں یہ سوال کرنا چاہیے کہ یہ پرندے کیسے اڑتے ہیں؟ کون انہیں ہوا میں رکھتا ہے؟ پرندے وہ قوانین کیسے جانتے ہیں جو انسانیت نے صرف چند صدیوں پہلے دریافت کیے؟ وہ بغیر گرے یا حادثے کیے کیسے اڑتے ہیں؟ اور انہوں نے بغیر کسی تربیت کے یہ مہارت کیسے حاصل کی؟"

علی نے مذاق کرتے ہوئے کہا: "معاف کیجیے گا سر! لیکن جب لوگ کسی کو کم عقل کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کے پاس پرندوں جیسا دماغ ہے!""

یوسف صاحب نے جواب دیا: "ہاں کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں لیکن یہ جانور جن کی ذہانت کو بعض لوگ کم سمجھتے ہیں جیسا کہ تم نے ذکر کیا،یہ دنیا کی سب سے ذہین مخلوق انسانوں سے ہزاروں سال پہلے کیسے اڑے؟ کیا ہم جنہیں انسانی دماغ دیا گیا ہے ہمیں اس پر حیران نہیں ہونا چاہیے؟ مثال کے طور پر ہجرت کرنے والے پرندے ہر سال

ہمارے ملک میں آتے ہیں۔ تم ان بگلوں کو جانتے ہو جو طویل عرصے سے ہمارے اسکول کی چھت پر اترتے ہیں۔ یہ پرندے ہر سال وسطی افریقہ سے ہزاروں کلومیٹر کا سفر کیسے کرتے ہیں؟ یہ کس طرح بغیر قطب نما یا نیویگیشن کے اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں اور راستے میں گم نہیں ہوتے؟ سب سے پہلے قطب نما اور نیویگیشن کے آلات کس نے دریافت کیے؟ انسانوں نے یا پرندوں نے؟"

یوسف صاحب نے مزید کہا:"میرے پیارے دوستو! جس طرح ہمارے رب نے پرندوں کو پرواز کرنے کے قابل اور مچھلیوں کو تیرنے کے قابل بنایا ہے اسی طرح اس نے ہم انسانوں کو ضروری صلاحیتیں دی ہیں تاکہ ہم کائنات اور اس میں موجود تخلیقات کے عجائبات پر غور و فکر کر سکیں۔ اسی لیے اس نے ہمیں ایسی اعلیٰ ذہانت اور عمدہ جذبات دیے ہیں جو اس نے جانوروں کو نہیں دیے۔"

کشتی آہستہ آہستہ بندرگاہ کے قریب پہنچ رہی تھی اور تمام مسافر باہر نکلنے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ اس دوران کشتی کا پیچھا کرتے ہوئے بگلے خوشی سے اڑ رہے تھے۔ وہ کبھی اپنے پر پھیلاتے اور پھر سمیٹ لیتے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں۔

قوانین اس بات کا ثبوت ہیں کہ کوئی قانون بنانے والا موجود ہے

کشتی سے اترنے کے بعد طلبا پھر سے اکٹھے ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔کلاس مکمل تھی۔ بندرگاہ سے کچھ ہی فاصلے پر انہیں ایک چھوٹی سفید بس نظر آئی۔

یوسف صاحب نے پوچھا: "کیا آپ سب اس چھوٹی سفید بس تک دوڑ لگا کر جانا چاہتے ہیں؟"

پرجوش طلبا نے ایک آواز ہو کر جواب دیا: "کیوں نہیں سر!"

یوسف صاحب نے کہا:" ٹھیک ہے جو لڑکا اور لڑکی سب سے پہلے چھوٹی بس کو چھوئیں گے انہیں دو چاکلیٹس ملیں گی۔"

دوڑ شروع ہو گئی۔ تقریباً دو سو پچاس میٹر کا فاصلہ تھا اور طلبا دوڑنے لگے۔ ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ علی جو عام طور پر ایسی دوڑ میں سبقت لے جاتا تھا، حیرت انگیز طور پر دوڑ نہیں رہا تھا بلکہ وہ اپنے بیگ سے کچھ نکال رہا تھا۔ وہ کیا تھا ؟ اوہ اچھا ، علی اپنے رولر اسکیٹس لے آیا تھا۔ اس نے فوراً انہیں پہنا اور دوڑ میں شامل ہو گیا۔

طلبا پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ مقابلہ سخت تھا۔ لڑکوں میں سعید آگے تھا اور لڑکیوں میں بیٹل سبقت لے رہی تھی۔ علی اپنے رولر اسکیٹس پر تیزی سے ان کے قریب پہنچ رہا تھا۔ لیکن آخری پچاس میٹر میں ابراہیم اور ریان نے سبقت لے لی اور چھوٹی بس کو سب سے پہلے چھوا۔ علی نے تقریباً سعید کے ساتھ ہی بس کو چھوا جو کہ اپنی ہار پر بہت حیران تھا۔

یوسف صاحب نے ان سب کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "تم سب ہوا کی طرح تیز تھے ما شاء اللہ! لیکن علی، تمہارے بس کو چھونے کو شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم نے قوانین کی پیروی نہیں کی۔"

طلبا نے اتفاق کیا: "آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں سر۔ قوانین ہم سب کو پابند کرتے ہیں اور ہمیں ان کی پیروی کرنی چاہیے۔"

پھر یوسف صاحب نے اپنی جیب میں سے پہلے سے تیار شدہ چاکلیٹ کے دو ٹکڑے نکالے اور انہیں ریان اور ابراہیم کو دے دیا جو دوڑ کے فاتح تھے۔ طلبا کچھ تھک چکے تھے لیکن اس سرگرمی سے انہیں اچھا محسوس ہوا۔ ابراہیم ہانپ رہا تھا، خوشی سے بولا:"سر ! چاکلیٹ تو مزیدار ہے ہی لیکن آپ کے ہاتھ سے یہ تحفہ حاصل کرنا اس سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔"

حسن کہنے لگا: "سر میرا خیال ہے کہ ہمارے دوست ابراہیم نے کل کا سبق اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے۔ دیکھیں وہ تحفے کو نہیں بلکہ تحفے کے اندر کی حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "تم دونوں بالکل درست ہو۔ یہ بہت اچھا ہے کہ تم جو کچھ سیکھ رہے ہو اسے روزمرہ کی زندگی میں لاگو کر رہے ہو۔ ابھی ہمارالمبا سفر باقی ہے تو آؤ بس میں بیٹھ کر اس پر بات کرتے ہیں۔"

بس کے دروازے بند ہو گئے۔ یہ دیکھنے کے بعد کہ کہیں کوئی رہ تو نہیں گیا بس یونیورسٹی کی طرف روانہ ہو گئی۔ یوسف صاحب نے بس کے ڈرائیور سے اجازت لی اور بس میں موجود مائیکروفون لے کر کہا: "پیارے دوستو، میں آپ کے لیے ایک خوشگوار سفر کی دعا کرتا ہوں۔ ہمیں منزل تک پہنچنے میں تقریباً چالیس منٹ کا وقت لگے گا اور اگر ٹریفک اسی طرح چلتی رہی تو ان شاء اللہ ہم وقت پر پروگرام میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن دعا کریں کہ ہم بروقت پہنچ سکیں کیونکہ استنبول کی ٹریفک کا کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ کب کیا ہو جائے۔"

بس کی پچھلی سیٹوں سے علی نے آواز دی: "سر! آپ نے کہا تھا کہ ہم بس میں چاکلیٹ کے تحفے کے بارے میں بات کریں گے۔"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "اچھا چلیں اس پہ بات کرتے ہیں ۔ آئیں ذرا یہ یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم سب وقت کی ایک سرنگ سے گزر کر ماضی میں پہنچ جاتے ہیں اور سلطان عبدالحمید خان رحمہ اللہ سے ملاقات کرتے ہیں جنہوں نے ہمارے اسکول کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ اگر سلطان ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک خوبصورت قلم دے جس پر ہمارے نام لکھے ہوں تو کیا آپ خوش ہوں گے ؟"

علی نے جواب دیا: "کون اس بات پر خوش نہیں ہو گا سر؟ یقیناً ہم بہت خوش ہوں گے۔"

یوسف صاحب نے پوچھا: "تمہیں زیادہ خوشی قلم کے ملنے پر ہو گی یا اس بات پر کہ یہ تحفہ سلطان کے ہاتھوں سے ملا؟"

ریان نے کہا: "ظاہر ہے سر! اس بات پر زیادہ خوشی ہوگی کہ یہ تحفہ سلطان کے ہاتھوں سے ملا ہے۔"

یوسف صاحب نے وضاحت کی: "بالکل صحیح۔ اگر قلم سے ملنے والی خوشی کو ایک شمار کریں تو سلطان کے ہاتھوں سے وہی تحفہ حاصل کرنے سے یہ خوشی سو گنا بڑھ جاتی ہے۔ جب سلطان آپ کو تحفہ پیش کرتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمہیں کتنی محبت کرتا ہے اور قدردانی کرتا ہے۔

یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کا ہے میرے پیارے بچو! مثال کے طور پر ایک مالٹا کھانے سے ہمیں دنیاوی لذت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ وہ مالٹا ہمیں اللہ کی طرف سے بطور تحفہ دیا گیا ہے یعنی جب ہم اپنے رب کو یاد کرتے ہیں تو اچانک ہمیں اس سے ملنے والی خوشی سو گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہ سوچنا ہمیں ہمارے رب کے قریب لے جاتا ہے کہ ہمارا رب ہمیں بہت چاہتا ہے ، ہم پر رحم کرتا ہے اور ہر لمحہ ہماری ضروریات پوری کرتا ہے۔"

سفر خوشگوار بات چیت کے ساتھ جاری رہا۔ راستے میں ایک مناسب جگہ پر ایندھن بھرنے کے لیے رکے۔ کبھی ٹریفک بھیڑ بھاڑ کا شکار ہوتی اور کبھی سڑک صاف ہو جاتی۔ اچانک ایک بس دوسری گاڑیوں کو خطرے میں ڈالتے ہوئے بہت ہی تیزی سے ان کے پاس سے گزر گئی اور بدقسمتی سے آگے جا کر ایک حادثہ ہوگیا۔ ٹریفک رک گئی اور ڈرائیور آپس میں جھگڑنے لگے۔ ماحول میں گرما گرمی ہو گئی۔

یوسف صاحب بس کے ڈرائیور کے ساتھ بس سے اترے تاکہ صورتحال کو پرسکون کرنے کی کوشش کریں۔ انہوں نے ڈرائیوروں سے کہا کہ جھگڑا بند کریں اور سڑک پر حفاظتی نشانیاں لگائیں اور پھر انہوں نے ٹریفک پولیس کو بلایا۔ حفاظتی نشانیاں لگانا ضروری تھا کیونکہ اللہ نہ کرے دوسری گاڑیاں آ کر رکنے والی گاڑیوں سے ٹکرا سکتی تھیں۔ ڈرائیور کچھ حد تک پرسکون ہوئے اور یوسف صاحب کے مشورے پر عمل کیا۔ حادثے میں موجود کار میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا جو ڈر کے مارے رو رہا تھا۔ بس کے

تمام طلبا نے بچے اور اس کے خاندان کے لیے نیک تمنائیں ظاہر کیں اور ان کی جلد صحت یابی کے لیے دعا کی۔ طلبا بس کے اندر سے ہی یہ تمام واقعات دیکھ رہے تھے۔

ریان نے بس کی کھڑکی کھولی اور کہا: "سر! میں نے ابھی تک وہ چاکلیٹ نہیں کھائی جو میں نے دوڑ میں جیتی تھی۔ کیا میں وہ چاکلیٹ اس بچے کو دے سکتی ہوں۔"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "ضرور ریان۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ لاؤ میں یہ چاکلیٹ بچے کو دیتا ہوں۔"

بچے نے تحفہ قبول کر لیا اور پھر اس کی ماں نے وہ چاکلیٹ کھول کر اسے اپنے بچے کو کھلایا جس سے بچے کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

تیز رفتار بس کا ڈرائیور واقعی غلطی پر تھا اور اپنی غلطی کو بھی مان بھی رہا تھا۔ پھر وہ دوبارہ بس میں سوار ہوئے اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ کبھی کبھار ٹریفک زیادہ ہونے کے باوجود وہ محفوظ طریقے سے آگے بڑھ رہے تھے۔

یوسف صاحب نے کہا:"آپ نے دیکھا ! جلدبازی اور غیر ذمہ داری کتنی نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ خدا نہ کرے اس سے بڑا حادثہ بھی ہو سکتا تھا۔"

بس کے ڈرائیور نے کہا: "سر! یہ تو اچھا ہوا کہ ہم نے اتر کر ان کی مدد کی۔ ورنہ جھگڑے سے مزید نقصان ہوسکتا تھا۔"

یوسف صاحب نے کہا: "ہم مسلمان ہیں ڈرائیور صاحب! اور یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم معاشرے کے مسائل اور پریشانیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جب ہم کوئی مسئلہ دیکھتے ہیں تو ہم اپنی استطاعت کے مطابق ہاتھ اور زبان سے مدد کرتے ہیں۔ اگر ہم کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے لوگوں کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی آگ صرف ایک کپ پانی سے بھی بجھائی جا سکتی ہے لیکن اگر ہر کوئی یہ سوچے کہ مجھے کیا فرق پڑتا ہے اور نظر انداز کر دے تو وہ آگ بڑھے گی اور سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔"

ٹریفک کچھ حد تک کم ہو گئی جس سے سفر پرسکون ہو گیا۔الیف نے آہستہ سے کہا: "سر!میری ماں نے کچھ تُرک مٹھائی میرے ساتھ بھیجی تھی تا کہ آپ سب میں بانٹ سکوں۔ حادثے کی وجہ سے میں بتانا بھول ہی گئی۔کیا میں اسے آپ سب میں بانٹ سکتی ہوں؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "ضرور الیف۔ جیسے ترک کہاوت بھی ہے: آؤ میٹھا کھائیں تا کہ ہماری باتیں میٹھی ہوں"۔ مٹھائی پیش کرنے کے لیے یہ بہت اچھا موقع ہے۔"

الیف نے اپنے بیگ سے تُرک مٹھائی کے دو بڑے ڈبے نکالے۔ ایک پیچھے لڑکوں کو دیا اور دوسرا آگے والی لڑکیوں اور ڈرائیور کے لیے دے دیا۔ علی نے ڈبہ کھولا اور خوشی سے کہا: "واہ!کیا خزانہ ہے"

مٹھائی اس ڈبے میں واقعی خزانے جیسی ہی لگ رہی تھی۔ اس ڈبے میں مختلف ذائقوں اور رنگوں کی کئی قسم کی ترک مٹھائیاں موجود تھیں۔

تمام طلبا نے الیف اور اس کی والدہ کا شکریہ ادا کیا اور دونوں ڈبوں سے ترک مٹھائی بڑی خوشی سے کھانے لگے۔ یوسف صاحب نے بھی الیف اور اس کے گھر والوں کا شکریہ ادا کیا پھر مائیکروفون لیا اور غور و فکر کا ایک نیا دروازہ کھولا۔کہنے لگے:"میرے دوستو! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے ابھی ایک حادثہ دیکھا ہے۔ سڑک پر ہر گاڑی کا ایک بالغ ڈرائیور ہوتا ہے۔ انسان، جنہیں عقل کی نعمت عطا ہوئی ہے، وہ مخصوص تربیت حاصل کرنے کے بعد ہی ان گاڑیوں کو چلا سکتے ہیں۔ ڈرائیونگ لائسنس ان افراد کو جاری نہیں کیے جاتے جو اٹھارہ سال سے کم عمر کے ہوں یا جو ڈرائیونگ کا امتحان کامیابی سے پاس نہ کر سکیں۔ ٹریفک قوانین اور نشانیاں ہر جگہ قائم کی گئی ہیں۔ ہمارے پولیس افسران مسلسل معائنہ اور نگرانی کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ وہ جگہیں جہاں پولیس موجود نہیں ہوتی وہاں الیکٹرانک کیمرا سسٹم بھی موجود ہیں۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود حادثات ہوتے ہیں اور ہم نے ابھی ایک اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

احمد نے بات کرنے کی اجازت مانگی اور کہا: "سر! کیا ہمارے ملک میں ٹریفک قوانین ہر جگہ ایک جیسے ہیں؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "ہاں احمد، ہمارے ملک میں ٹریفک قوانین ہر جگہ ایک جیسے ہیں۔ پورے ملک میں ایک جیسے ٹریفک قوانین کا لاگو ہونا ہماری حکومت کے وجود کی تصدیق کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس ملک میں بہت ساری نہیں بلکہ صرف ایک ہی حکومت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ پر کوئی قانون نافذ ہوتا ہے تو وہ قانون کسی قانون ساز کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے جس نے اسے بنایا ہو۔ قوانین اور اصول خود بخود وجود میں نہیں آتے۔ اگر کوئی قانون ہر جگہ یکساں طریقے سے نافذ ہوتا ہے تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ قانون ایک ہی جگہ سے نکلا ہے۔

اب ذرا اس بات پر غور کریں کہ ستارے، سیارے اور چاند جو خلا میں حرکت کرتے ہیں وہ سب ایک قاعدے اور قانون کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔ اب یہ قوانین اور اصول کس نے بنائے جن پر آسمانی اجسام عمل کرتے ہیں؟ جب سائنس دان ان قوانین کو دریافت کرنے پر سائنسی ایوارڈ حاصل کرتے ہیں تو کیا ہمیں یہ سوچنا اور سوال نہیں کرنا چاہیے کہ "یہ قوانین بنائے کس نے ہیں اور کون ہے جو انہیں منظم طریقے سے ہر جگہ مسلسل نافذ کر رہا ہے؟ اور یہ آسمانی اجسام اتنے منظم طریقے سے کیسے حرکت کرتے ہیں بغیر آپس میں ٹکرائے؟ ان کے راستے کون متعین کرتا ہے؟ کیا ان کے بھی ڈرائیور ہیں؟"

حسن نے بات میں حصہ لیا اور کہا: "سیاروں اور ستاروں کے ڈرائیور نہیں ہوتے سر!"

یوسف صاحب نے کہا: "بالکل ٹھیک حسن۔ تو پھر یہ آسمانی اجسام اتنی باقاعدگی سے کس کی طاقت اور علم سے حرکت کرتے ہیں؟ یہ بے جان اور بے عقل بڑے بڑے اجسام بغیر ڈرائیور کے کیسے ایک دوسرے سے ٹکرائے بغیر اپنی مختلف رفتار، سائز اور بالکل مختلف راستوں اور گردش کی سمتوں کے باوجود حرکت کرتے ہیں؟ کیا یہ حیرت انگیز نہیں ہے؟"

سعید نے کہا: "سر! ڈرائیور کے بغیر چلنے والی گاڑیاں، ڈرونز اور یہاں تک کہ مصنوعی ذہانت سے چلنے والی ٹرینیں بھی موجود ہیں۔"

یوسف صاحب نے کہا: "تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو سعید! یہ بہت اچھا نکتہ ہے۔ کیا ماہرین بھی موجود ہیں نا جو ان گاڑیوں کو تیار کرتے ہیں جو انسانوں کے بغیر چلتی ہیں؟"

سعید نے کہا: "جی ہاں، سر۔"

یوسف صاحب نے مزید پوچھا: "کیا سافٹ ویئر انجینئرز بھی موجود ہیں جو ان کے لیے لاکھوں سطروں پر مشتمل کوڈ لکھتے ہیں؟"

سعید بولا: "جی ہاں، سر۔"

یوسف صاحب نے مزید کہا: "کیا انتظامیہ سے متعلقہ انجینئرز بھی موجود ہیں جو ان گاڑیوں کو ان کے کام کے مطابق منظم کرتے ہیں؟"

سعید نے کہا: "جی ہاں، سر۔"

یوسف صاحب کہنے لگے: "میرے عزیز دوستو! یہ اعلیٰ سطح کی ٹیکنالوجی دنیا کے آٹھ یا دس ممالک میں دستیاب ہے۔ یہ انسانوں کی ایک نئی ایجاد ہے جسے انہوں نے حال ہی میں بنایا ہے۔ لیکن آسمان میں موجود آسمانی اجسام کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟ وہ یہ سب کام انجام دیتے ہیں حالانکہ وہ اس شعبے کے ماہر یا انجینئر نہیں ہیں اور ان کی گردشیں بہت منظم ہیں حالانکہ ان میں شعور نہیں ہے۔

انسانی ایجاد کردہ ڈرائیور کے بغیر چلنے والی گاڑیاں، ڈرونز اور ٹرینیں انسان کی بنائے ہوئے پروگرامنگ اور قوانین کے مطابق چلتی ہیں۔ یہ مشینیں بے ترتیب حرکت نہیں کرتیں بلکہ مخصوص ہدایات پر عمل کرتی ہیں جو ہم نے انہیں دی ہیں۔ اب ذرا کائنات کے بارے میں سوچیں۔ اگر ستارے، سیارے اور چاند بھی ایک خاص قانون کے مطابق حرکت کرتے ہیں تو وہ قوانین کس نے بنائے ہیں؟ اس بڑے نظام کو کون چلا رہا ہے؟ یقینی طور پر ایک طاقت والا اور علم والا خالق ہے جس نے یہ قوانین بنائے ہیں اور کائنات کو ان کے مطابق چلا رہا ہے۔"

مصطفیٰ، جو کہ خلا کے علوم میں دلچسپی رکھتا تھا اس نے گفتگو میں شامل ہو کر کہا: "ہاں سر! ہمیں سیاروں، ستاروں، دمدار ستاروں اور بلیک ہولز جیسے آسمانی اجسام کا مطالعہ اور تحقیق کرنی چاہیے۔ کیا میں اس موضوع پر کچھ بتا سکتا ہوں جو مجھے سوچنے پر مجبور کرتا ہے؟"

مسٹر یوسف نے اسے مائیکروفون تھماتے ہوئے کہا: "بالکل یہ مائیکروفون لے لو تاکہ سب تمہیں اچھی طرح سن سکیں۔"

مصطفیٰ نے کہا: "سر ہم نے ابھی اپنی گاڑی میں ایندھن بھروایا ہے اور اب یہ گاڑی اس ایندھن کے ذریعے کچھ وقت تک سفر کرے گی۔ جب ایندھن ختم ہو جائے گا تو ڈرائیور کہیں اور رک کر دوبارہ ایندھن بھرے گا۔ اس سلسلے میں دو حیرت انگیز سوال میرے ذہن میں آئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آپ نے جن آسمانی اجسام کا ذکر کیا ہے اتنا زیادہ سفر کرنے کے باوجود کبھی بھی ان کا ایندھن ختم کیوں نہیں ہوتا؟ دوسرا یہ کہ یہ اجسام اپنے مخصوص راستوں پر ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر کیسے چلتے ہیں؟ یہ بات بہت ہی متاثر کُن ہے۔"

یوسف صاحب نے مصطفیٰ کی بات سے اتفاق میں سر ہلایا۔

اسلام اور سائنس یونیورسٹی

وہ یونیورسٹی پہنچے اور یونیورسٹی کے شاندار داخلی دروازے کے نیچے سے گزرے۔ یونیورسٹی کے کیمپس میں داخل ہونے کے بعد وہ ارد گرد کا جائزہ لینے لگے۔ کیمپس میں بہت بڑی بڑی عمارتیں تھیں۔ شیشوں سے آراستہ عمارتیں، وسیع سرسبز جگہیں اور مختلف شعبوں کی طرف جانے والی چوڑی سڑکیں تھیں۔ یہ تمام جگہیں یونیورسٹی کے طالب علموں سے بھری ہوئی تھیں جو عمر میں ان سے بڑے تھے۔ وہ حیرت سے ہر جگہ دیکھ رہے تھے کیونکہ یہ جگہ ان کے پرائمری، مڈل یا ہائی اسکول سے بالکل مختلف تھی جس کی انہیں عادت تھی۔

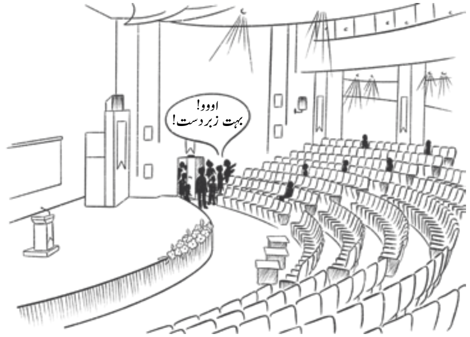

وہ مقرر کردہ نشانات کے مطابق چلتے ہوئے ہال کی طرف بڑھے جہاں کانفرنس ہونے والی تھی۔ یہ لیکچر ہال لائبریری کے ساتھ تھا۔ اگرچہ انہوں نے لائبریری کو دور سے ہی دیکھا لیکن یہ خاص طور پر بیٹل کی دلچسپی کا مرکز بن گئی کیونکہ نہ صرف وہ جماعت کی سب سے زیادہ پڑھنے والی طالبہ تھی بلکہ لائبریری کی عمارت کیمپس کی سب سے متاثرکن عمارت تھی۔ دو منزلہ عمارت تھی جس میں بہت سی کھڑکیاں تھیں اور جدید اور شاندار تعمیراتی کاریگری کے ساتھ تھی جو دیکھنے والوں کو یہ جاننے پر مجبور کر دیتی تھی کہ اس کے اندر کیا ہے ۔

جب بیٹل لائبریری کے دروازے کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی تو اس نے ایک دلچسپ بات دیکھی۔ دروازے پر ہماری مقدس کتاب کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت مبارکہ لکھی ہوئی تھی: "پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا" (سورۃ العلق، آیت 1)

بیٹل نے یوسف صاحب سے کہا: "سر! کیا میں ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟"

یوسف صاحب نے شفقت سے جواب دیا: "بالکل پوچھ سکتی ہو!"

بیٹل نے کہا: " سر اس آیت سے ہمیں کیا سمجھنا چاہیے جو لائبریری کے دروازے پر لکھی ہوئی ہے؟ اس نے میری توجہ اپنی جانب کھینچ لی ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: " تمہاری دلچسپی قابل تعریف ہے بیٹل ۔ مجھے امید ہے کہ ہمیں اس سوال کا جواب کانفرنس میں ملے گا اور کانفرنس شروع ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی ہے۔ اگر تم چاہو تو اس سوال کا جواب کانفرنس کے لیے چھوڑ دیتے ہیں"

پروگرام کا آغاز صبح ۱۰ بجے ہونا تھا اور کانفرنس کے ہال میں لوگ آہستہ آہستہ جمع ہونے لگے تھے ۔ ہال بہترین روشنی اور ہوا کے ساتھ واقعی بہت خوبصورت تھا اور اس کا اسٹیج بہت وسیع تھا۔ پوڈیم اور نشستیں بہت آرام دہ لگ رہی تھیں۔ نشستیں اس طرح ڈیزائن کی گئی تھیں کہ آگے بیٹھنے والے پیچھے والوں کے لیے دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے تھے۔ طلبہ آپس میں بات کرنے لگے۔ کچھ نے کہا "حیرت انگیز!" اور کچھ نے کہا "کتنا شاندار ہال ہے!"

علی کہنے لگا : "یہ ہم کہاں آگئے ہیں سر؟ ہمیں خوشی ہے کہ ہم یہاں آئے۔"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "ابھی انتظار کرو علی۔ پروگرام ابھی شروع نہیں ہوا ہے۔ اس پر پروگرام کے بعد بات کرتے ہیں۔"

مختلف سکولوں کے مڈل سکول کے طلبا بھی ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ یوسف صاحب نے یونیورسٹی کے اسٹاف کے کچھ لوگوں سے سلام دعا کی اور ان سے بات چیت کی۔ پھر یوسف صاحب اور ان کے طلبا دوسری لائن میں اپنی مقرر کردہ نشستوں پر بیٹھ گئے۔ پروگرام بس شروع ہونے ہی والا تھا۔ انہوں نے تھوڑا سا انتظار کیا کیونکہ ساؤنڈ سسٹم اور ہال کی ترتیب کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔

ہر کوئی بے تابی سے پروگرام شروع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسی دوران پروگرام کے میزبان اسٹیج پر آ گئے۔

میزبان نے بسم اللہ پڑھ کر گفتگو کا آغاز کیا اور پروگرام کا شیڈول پیش کیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کی وہ ایک نوجوان حافظ تھا جس نے سب سے خوبصورت قرآنی تلاوت کے مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس نے سورۃ الاسراء کی آیات کی تلاوت کیں جو کانفرنس کے موضوع سے متعلق تھیں۔ اسٹیج پر دیو قامت اسکرین پر تلاوت کردہ آیات کے اصل عربی متن کے ساتھ ساتھ ان کے ترکی اور انگریزی ترجمے بھی دکھائے جا رہے تھے۔ اسکرین پر ترجمہ یہ تھا:

"ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور

کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بردبار اور بڑا بخشنے والا ہے۔" (سورۃ الاسراء، آیت 44)

یہ آیت سب کی توجہ کا مرکز بن گئی جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ تمام مخلوقات ہمارے رب کی تسبیح اور تعریف کرتی ہیں۔

مذہب اور سائنس میں ہم آہنگی

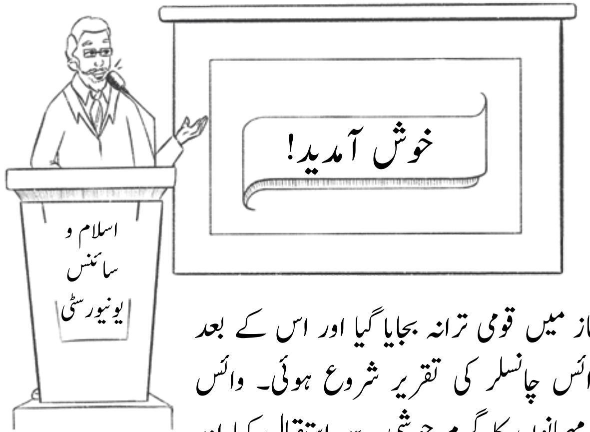

کانفرنس کے آغاز میں قومی ترانہ بجایا گیا اور اس کے بعد یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تقریر شروع ہوئی۔ وائس چانسلر نے تمام مہمانوں کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور کہا: "عزیز طلبہ! میں نے اپنی بچپن کی زندگی "چوکوروا" میں گزاری۔ بتائیں، چوکوروا کس فصل کے لیے مشہور ہے؟"

طلبہ نے بیک آواز جواب دیا: "کپاس!"

وائس چانسلر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "جی ہاں کپاس۔ ہمارا خاندان بھی کپاس کی کاشت کرتا تھا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم کپاس کے پودے پر غور کریں۔

میں بچپن میں یہ سوچا کرتا تھا کہ یہ خالص، نرم، ہلکی پھلکی سفید کپاس جو ٹیکسٹائل کا خام مال ہے یہ کالی مٹی سے کیسے نکلتی ہے؟ یہ چیز مجھے بہت حیران کرتی تھی اور میں یہ سوچتا تھا کہ اس کالی مٹی میں ایسی کیا چیز ہے جو سفید کپاس میں تبدیل

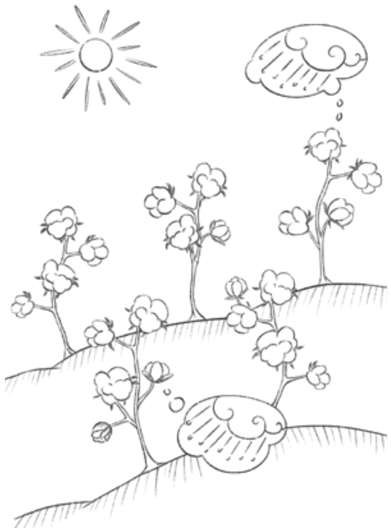

ہو جاتی ہے۔ کیا زمین میں کوئی پینٹ فیکٹری ہے؟ اور مزید یہ کہ کپاس کے یہ نرم ریشے سخت اور کھردری مٹی سے کیسے نکلتے ہیں؟ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کپاس کپڑے کا خام مال ہے۔ کیا زمین کو معلوم ہے کہ کپڑا اور لباس کیا ہے؟ مزید یہ کہ کپاس کے بیجوں سے کھانے کا تیل بھی بنتا ہے جو ہماری مائیں باورچی خانے میں استعمال کرتی ہیں۔ کیا زمین میں تیل بنانے کی فیکٹری ہے؟ اور زمین نے کپاس کے بیجوں میں یہ تیل بنانا کیسے سیکھا جو ہماری صحت کے لیے اتنا مفید ہے؟ میں اس طرح کے سوالات پر سوچتا تھا۔ روئی بننے کے لیے مٹی، پانی، ہوا اور سورج کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ جب میں بچہ تھا تو اپنے بچگانہ ذہن سے سوچا کرتا تھا: "کیا ان سب نے آپس میں طے کیا ہے کہ وہ یوں اکٹھے ہو جائیں؟ اور کس طرح یہ ایک مشترکہ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں؟ پھر میں خود سے کہتا: "مگر ان کے پاس تو عقل اور شعور نہیں ہے۔ یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ انسانوں کو کپڑوں کی ضرورت ہے یا وہ یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ ہمیں آلو کے چپس بنانے کے لیے تیل کی ضرورت ہے؟"

" میرے عزیزو! انسان کی تمام ضروریات وہاں سے پوری ہوتی ہیں جہاں سے توقع بھی نہیں ہوتی اور جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمارے پاس اس بات کے صرف دو ہی جواب ہو سکتے ہیں: یا تو ہم یہ کہیں کہ بے جان چیزیں جیسے مٹی، پانی، سورج اور ہوا ہمیں جانتے ہیں اور ہم سے محبت کرتے ہیں اس لیے وہ ہماری ضروریات کو دیکھ کر ہمارے لیے کام کرتے ہیں یا پھر ہم یہ کہیں کہ انسانوں کو اچھی طرح جاننے والی اور ان سے

محبت کرنے والی ایک طاقتور، رحیم اور مہربان ذات ہے جو بروقت اور بغیر کسی غلطی کے ہم انسانوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ اس سوال کا جواب ہم اس کانفرنس کے آخر میں حاصل کریں گے۔"

وائس چانسلر نے ایک لمحہ خاموشی اختیار کی۔ خاموشی کے دوران انہوں نے تمام طلبا پر ایک نظر ڈالی اور یہ فکر انگیز الفاظ کہے:

"عزیز طلبا! ہمارے خوبصورت دین اسلام اور سائنس کے درمیان ہم آہنگی ہے کیونکہ سائنس جس کائنات کا مطالعہ کرتی ہے وہ ساری کی ساری اللہ ہی کی تخلیق ہے۔ اور اسلام وہ دین ہے جو اللہ ہی نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے ذریعے انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔ اسی وجہ سے دین اور سائنس میں ہم آہنگی ہے۔ اسلام کے دو بنیادی ماخذ قرآن اور حدیث، علم کے حصول کی ترغیب دیتے ہیں اور اہل علم کی بہت تعریف کرتے ہیں۔یوں اسلام تحقیق اور مشاہدے کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ دین اسلام علم کا دین ہے اور اسلامی تہذیب علم کی تہذیب ہے۔

تمام سائنسی علوم جیسے کہ طبی علوم، خلائی اور زمینی علوم ان چیزوں اور کاموں کی تحقیق کرتے ہیں جنہیں اللہ نے تخلیق کیا ہے۔ ان علوم کے وجود کا مقصد ہی ان قوانین کو

تلاش کرنا ہے جو اللہ نے کائنات میں بنائے ہیں۔ ہر سائنسی علم اپنی زبان میں اللہ ہی کے بارے میں بات کرتا ہے اور آج ہمیں مختلف لیکچرز کے ذریعے ان زبانوں کو سننے کا موقع ملے گا۔ اس لیے جب ہم کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے خالق اللہ تعالی کو نہیں بھولنا چاہیے۔ اگرچہ ہم اس ظاہری طور پر نہیں دیکھ سکتے لیکن ہمیں اسے اس کی تخلیق کے ذریعے پہچان لینا چاہیے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کو یہ بتاتے ہوئے مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ اس طرح کے علمی پروگرام اب باقاعدگی سے ہوا کریں گے۔ میں آپ سب کے لیے دعا گو ہوں کہ آپ زندگیوں میں کامیاب ہوں۔ خوش رہیں! "

وائس چانسلر کی تقریر اور تالیوں کی گونج ختم ہونے کے بعد میزبان نے کہا: "اب میں آج کے پہلے لیکچرر انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی سائنسز کے پروفیسر جناب ڈاکٹر اردم صاحب کو اسٹیج پر مدعو کرتا ہوں۔ محترم پروفیسر! اسٹیج آپ کا ہے!" یہ کہہ کر میزبان نے مائیکروفون ڈاکٹر اردم کے حوالے کر دیا۔

عقل ثبوتوں کے ساتھ کام کرتی ہے

ڈاکٹر اردم نے گفتگو کے آغاز میں کہا: پیارے نوجوانو! میں آپ کو زندگی کا ایک تجربہ بتانا چاہتا ہوں۔ فرض کریں کہ ہم ایک پہاڑ کے قریب ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے پیچھے سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ دھواں دیکھ کے ہم کہتے ہیں کہ وہاں آگ لگی ہے حالانکہ ہم آگ کو نہیں دیکھ سکتے لیکن وہاں سے اٹھتا ہوا دھواں اس کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ اگر ہم پہاڑ پر چڑھیں اور اپنی آنکھوں سے آگ کو دیکھ لیں تو ہمیں آگ کی موجودگی کا اور زیادہ یقین ہو جائے گا۔ اور آخر کار اگر ہم آگ کے قریب جائیں اور اس سے گرمی حاصل کریں تو ہمیں آگ کی موجودگی کا پورا یقین ہو جائے گا۔

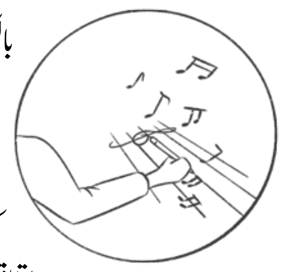

بالکل اسی طرح جب ہم اس جیسی کسی شاندار عمارت کو دیکھتے ہیں تو ہم یہ مانتے ہیں کہ اسے بنانے والا ضرور کوئی انجینئر ہو گا۔ اگرچہ ہم نے انجینئر کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن عمارت کی خصوصیات انجینئر کی موجودگی کا ثبوت ہیں۔ جب ہم کوئی گانا سنتے ہیں تو ہم اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ یہ محض اتفاق سے پیدا ہونے والی بے ترتیب آوازوں کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ یہ سب وہ حقائق ہیں جن تک ہم اپنی عقل استعمال کر کے پہنچ جاتے ہیں کیونکہ عقل کو یقین دلانے کے لیے ثبوت اور دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔"

خالق کے دکھائی نہ دینے کا مطلب یہ نہیں کہ چیزیں اتفاقا وجود میں آ گئی ہیں

"پیارے دوستو! جب ہم کوئی خوبصورت عمارت دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ اسے کس نے بنایاہے۔ ہے نا؟ مثال کے طور پر جب ہم استنبول میں موجود شاندار عمارتیں جیسے سلیمانیہ مسجد یا دولماباہچے محل دیکھتے ہیں تو ہم ان عمارتوں کے معماروں کے بارے میں سوچتے ہیں کیونکہ ہمیں علم ہے کہ ایسی شاندار عمارتیں خودبخود وجود میں نہیں آسکتیں۔

پیارے نوجوانو! اب میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ کانفرنس ہال خودبخود وجود میں آ سکتا ہے؟"

ہال میں سے آوازیں گونجیں: "نہیں" اور علی کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔

ڈاکٹر اردم پھر مخاطب ہوئے: "اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ یہ کانفرنس ہال اتفاقی طور پر اپنے آپ وجود میں آیا ہے تو کیا آپ کو اس کی عقل پر شک نہیں ہوگا؟"

پورا ہال ایک بار پھر یک زبان ہو کر بولا: "ہاں۔"

پھر ڈاکٹر اردم نے سامنے بیٹھے طلباء میں سے ایک کو اسٹیج پر بلایا جو کہ حسن تھا۔ ڈاکٹر

صاحب نے حسن سے اس کا نام پوچھا اور پھر کہا: "پیارے حسن! اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کانفرنس ہال اتفاقی طور پر خودبخود بن گیا ہے تو آپ کیا کریں گے؟"

حسن نے جواب دیا: "میں کہوں گا کہ ایسی خوبصورت عمارتی کاریگری سے مزین عمارت کو بنانے والا ضرور کوئی نہ کوئی ہے۔ ایسی عمارت کسی اتفاق سے خودبخود نہیں بن سکتی۔ اگر میں اس کے معمار کو جانتا ہوتا تو میں ضرور اس شخص کو اس سے ملواتا۔"

ڈاکٹر اردم نے حسن کا شکریہ ادا کیا اور اسے واپس اس کی نشست پر بھیجا اور مسکراتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی: "پیارے دوستو! میں ایک معمار اور سول انجینئر دونوں ہوں اور میں دونوں شعبوں میں تعلیم یافتہ ہوں۔ ویسے میں وہی انجینئر ہوں جس کا حسن ابھی ذکر کر رہا تھا۔ انجینئرز کی حیثیت سے ہم عمارتوں کی تعمیر سے پہلے ان کے منصوبے تیار کرتے ہیں۔ ہر چیز کی تفصیل کے ساتھ منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ ہم نے اس ہال کو بنانے کے لیے ہماری اس زمین کے ڈیزائن سے رہنمائی لی۔ زمین یعنی وہ دنیا جس میں ہم انسان آرام اور آسانی سے رہتے ہیں۔ ہم نے اس ہال کی روشنی، ہوا کی آمد و رفت، مضبوطی اور ساؤنڈ سسٹم کو اس دنیا میں موجود اللہ کی شاندار تخلیقات کی نقل کر کے تیار کیا۔

لہذا ہم نے ہال کو تعمیر کرنے سے پہلے اس کے مقصد پر غور کیا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ یہ کتنا بڑا ہونا چاہیے اور پھر ہم نے بالکل موسموں کی طرح اس میں ہوا کی آمد و رفت کو گرمیوں میں ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم رکھنے کے لیے ڈیزائن کیا۔ ہم نے روشنی اور نشستوں کو یوں ترتیب دیا کہ ہال کی ہر نشست سے اسٹیج واضح طور پر نظر آئے۔ پھر ہم نے اندرونی سجاوٹ، دیواروں اور فرشوں کو فن پاروں کی طرح ڈیزائن کیا۔ ہم نے ہال میں آواز کے نظام کو بھی بہت زیادہ توجہ دی تاکہ وہ پورے ہال میں پھیل سکے۔ اور خاص طور پر ہم نے ممکنہ زلزلوں اور آگ کے لیے خصوصی احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور یوں ہم نے اس کانفرنس ہال کو انجینئرنگ کے انتہائی درست حسابات کے ساتھ تعمیر کیا۔"

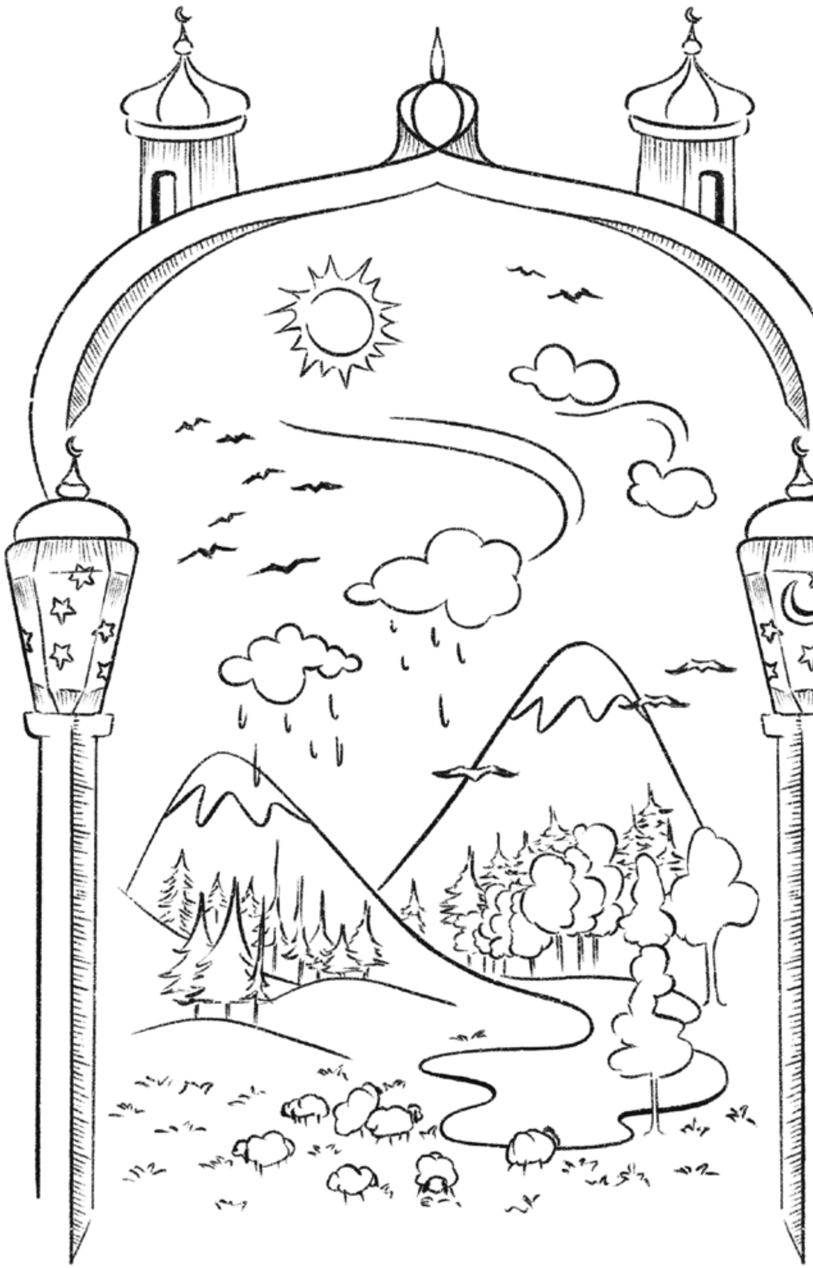

ہماری دنیا ایک پُرتعیش محل کی طرح ہے

آئیے مل کر سوچیں کیا یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں ایک پُرتعیش عمارت کی طرح نہیں ہے؟ یہ ایک عظیم الشان محل کی مانند ہے جس کی چھت گہرا نیلا آسمان ہے جو دن کے وقت سورج کی چمک سے اور رات کو چاند اور ستاروں کی روشنی سے مزین ہے۔ اس کا فرش ایک سرے سے دوسرے سرے تک تازہ درختوں اور پھولوں سے سجا ہوا ہے۔یہ زمین زندگی سے بھرپور ہے۔ ہمارا سورج اس محل کے لیے چراغ اور ہیٹر دونوں کی طرح ہے۔

عزیز نوجوان دوستو! کیا کسی کے گھر یا اسکول میں ایسا چراغ ہے جو ہوا میں لٹکا ہوا ہو اور کسی چیز سے جڑا نہ ہو پھر بھی مسلسل گھوم رہا ہو؟"

طلباء نے بلند آواز میں کہا: "نہیں" جس کا مطلب تھا چراغ کا کہیں نہ کہیں لگا ہوا ہونا ضروری ہے۔

اردم صاحب نے کہا: "ہمارا سورج ایک بہت بڑا چراغ ہونے کے باوجود گھومتا ہے۔ زمین جیسے ایک لاکھ تیس ہزار سیاروں جتنا بڑا ہونے کے باوجود یہ خلا میں مسلسل حرکت کر رہا ہے۔ اس کے نیچے کوئی ستون نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی چیز سے بندھا ہوا ہے۔ یہ مسلسل گھومتا ہے اور دوسرے سیاروں کو بھی اپنے ساتھ حرکت دیتا ہے۔ یہ ہمیں بغیر کسی معاوضے کے وہ روشنی اور حرارت بھیجتا ہے جس کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔

دنیا میں موجود ہواؤں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا یہ ایئر کنڈیشنر کی طرح نہیں ہیں جو جانداروں کو ٹھنڈک فراہم کرتی ہیں اور صاف ہوا ان تک پہنچاتی ہیں جنہیں اس کی ضرورت ہوتی ہے؟ ہوائیں بارش والے بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہیں اور پودوں کے بیجوں کو ہر طرف پھیلا کر ان کی افزائش میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

پھر پہاڑ ہیں جو ایک اور خوبصورتی ہیں۔ معدنیات اور شفابخش پانیوں سے بھرے ہیں اور ہماری دنیا کے مضبوط ستونوں کی مانند ہیں۔

پیارے دوستو! میں اپنی بات کا اختتام کچھ یوں کرنا چاہوں گا کہ جیسا کہ یہ واضح ہے کہ ایک سادہ سا گھر یا عام سی عمارت بھی اتفاق سے نہیں بن سکتی تو اسی طرح ہماری دنیا جو ایک عظیم الشان محل کی مانند ہے یہ بھی اتفاق سے خودبخود وجود میں نہیں آ سکتی اور نہ ہی یہ اس قدر کمال اور خوبصورتی کو خودبخود حاصل سکتی ہے۔ ہماری دنیا کو اللہ نے بنایا ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور اپنی محبت کا ثبوت ان نعمتوں سے دیتا ہے جو اس نے ہمارے لیے بنائی ہیں۔ ہماری دنیا اپنے منصوبے، نظام، موسموں، فنکارانہ ڈھانچے، شاندار قدرتی مناظر وغیرہ کے ذریعے ہمیں ہمارے رب سے متعارف کراتی ہے۔ اب میں توجہ سے میری بات سننے پر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سب کی آئندہ زندگی میں کامیابیوں کی دعا کرتا ہوں۔"

طلباء جنہوں نے اس گفتگو کو سنا آپس میں اس پر بات چیت کرنے لگے اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہنے لگے: "اچھا ہوا کہ ہم یہاں آئے"

موجودات کی پراسرار زبان

میزبان نے دوبارہ اسٹیج سنبھالی اور کہا: " اب میں ہمارے اگلے مقرر کو مدعو کرنا چاہوں گا جو "موجودات کی پراسرار زبان" کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔"

ایک کمیونکیشن کے ماہر پروفیسر صاحب اسٹیج پر آئے اور کہا: "پیارے طلبا، شاید ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہو جس نے کمیونکیشن (باہم رابطے اور بات چیت) کا لفظ نہ سنا ہو۔ کمیونکیشن کی ہماری زندگیوں میں بہت اہمیت ہے۔ ہم انسان اپنے جذبات، معلومات اور خیالات کو بول کر یا بغیر بولے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ بول کر کمیونکیشن وہ ہے جو ہم اپنی زبان اور الفاظ کے ذریعے کرتے ہیں جبکہ بغیر بولے کمیونکیشن وہ ہے جو ہم اپنے جسم کی حرکات اور کیفیات کے ذریعے کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہم کسی سے مل کر مسکراتے ہیں تو یہ ہمارے اخلاص اور خوشی کو ظاہر کرتا ہے۔

پیارے نوجوانو! ہم کسی شخص کے چہرے، جسمانی کیفیت اور رویے کو دیکھ کر یہ پہچان سکتے ہیں کہ اُس وقت وہ خوش ہے یا ناخوش، خوشگوار ہے یا غصے میں، پُرجوش ہے یا پُرسکون۔ اگرچہ وہ شخص یہ سب باتیں الفاظ میں بول کر نہیں کہتا لیکن وہ اپنی جسمانی کیفیت کے ذریعے بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔

اسی طرح ایک ڈاکٹر کا سفید کوٹ یا اس کے گلے میں لٹکا ہوا اسٹیتھو سکوپ اس کے پیشے کو ظاہر کرتا ہے، ایک وکیل کا عدالت میں پہنا جانے والا سیاہ چوغہ اور ایک کمانڈر کی فوجی وردی، یہ سب کچھ بولے بغیر بہت کچھ بتاتے ہیں۔

میرے عزیز نوجوان دوستو! کبھی کبھار انسان خاموشی اختیار کر کے بھی بہت کچھ کہہ جاتا ہے اور اس خاموشی کے ذریعے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ حاصل کر لے جو وہ الفاظ کے ذریعے حاصل کرتا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ: بولنا چاندی ہےاور خاموش رہنا سونا ہے"۔اگر ہم غور کریں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ زندگی میں بہت سے ایسے عناصر ہیں جو بولے بغیر کلام کرتے

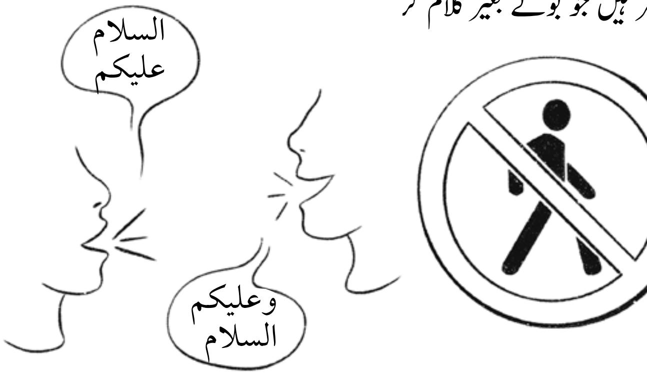

مثال کے طور پر وہ چیزیں جو ہماری توجہ کھینچتی ہیں جیسے خبردار کرنے والے نشانات، ٹریفک بورڈز، ٹریفک لائٹس اوریہاں تک کہ چیزوں کے رنگ ہمیں بغیر الفاظ کے پیغامات بھیجتے ہیں اور ہم سے بات کرتے ہیں۔ ہمارے فون کا چارجر ہمیں زبانِ حال سے بتاتا ہے کہ تم مجھ سے اپنی بیٹری چارج کر سکتے ہو اور ساتھ میں ہمیں یہ

بھی بتاتا ہے کہ وہ ہر ڈیوائس کو چارج نہیں کر سکتا۔ سڑک پر گزرتی ہوئی پیلی ٹیکسی آپ کو بتاتی ہے کہ تم میرے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر سکتے ہو۔ اسی طرح ایک دیوار کی گھڑی دن میں کئی بار ہم سے بغیر الفاظ کے بات کرتی ہےاور ہمیں وقت اور اس کے گزرنے کی یاد دلاتی ہے۔"

میں آپ سے مخاطب ہوں ، کیا آپ کو خبر ہے؟

"پیارے نوجوانو! جیسا کہ میں نے مثالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ تمام مخلوقات زبانِ حال کے ذریعے ہم سے بات کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہ صفت انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ جس طرح کسی ایسی زبان کو سمجھنا آسان ہوتا ہے جو ہمیں معلوم ہو بالکل اسی طرح اگر ہم کائنات میں موجود اشیاء کی زبانِ حال کو سمجھ سکیں تو ہم آسانی سے یہ جان سکتے ہیں کہ ہمارا خالق ان چیزوں اور مخلوقات کے ذریعے ہم سے کیا کہنا چاہتا ہے۔

تمام موجودات ہمارے رب کے پیغامات ہم تک پہنچانے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ وہ اپنی الگ الگ زبانِ حال میں ہم سے بات کرتی ہیں، ہمیں اپنے اور ہمارے خالق ، اللہ کے بارے میں بتاتی ہیں اور ہمیں اس سے متعارف کرواتی ہیں۔ اس کو " زبانِ حال سے بات کرنا" کہا جاتا ہے جس کے ذریعے تمام موجودات ہمیں ہمارے رب کے بارے میں بتاتی ہیں اپنی ان خصوصیات کے ذریعے جو ان میں ہیں اور ان کے ذریعے بھی جو اُن میں نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر ایک جاہل شخص کو ایسا کام کرتے دیکھنا جس کے لیے بہت زیادہ علم درکار ہو، ہمیں سوچنے پر اور حیران ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی جہالت ہمیں بتاتی ہے کہ وہ ایسا کام سرانجام نہیں دے سکتا جس کے لیے اتنے زیادہ علم کی ضرورت ہے۔

ایک کمزور اور بے اختیار شخص جب ایسے کام میں کامیاب ہوتا ہے جس میں بڑی طاقت کی ضرورت ہو تو یہ ہمیں کچھ بتاتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے ؟ اس کی بے بسی ہمیں بتاتی ہے کہ دراصل کوئی اور ہے جس کے پاس عظیم طاقت ہے اور اسی نے یہ کام کیا ہے جس میں اتنی زیادہ طاقت کی ضرورت تھی۔ اور اگر ہم دیکھیں کہ کوئی حیرت انگیز فنکارانہ

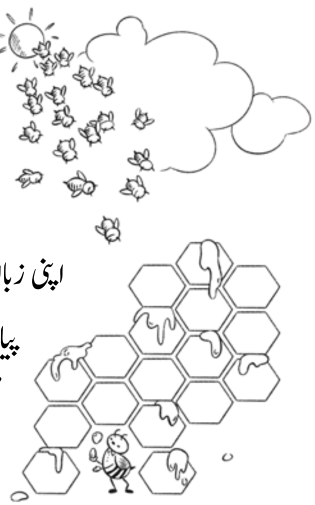

کام ایک ایسے شخص کے ذریعے انجام پائے جسے فن اور خوبصورتی کا پتہ ہی نہ ہو تو ہمیں سمجھ جانا چاہیے کہ یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے اس میں مزید غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کائنات کی ہر شے ہمیں کہتی ہے: اے ابنِ آدم! میں اپنی زبانِ حال میں تم سے مخاطب ہوں ، کیا تمہیں خبر ہے؟

پیارے دوستو! مثلاً ایک زہریلا کیڑا یعنی شہد کی مکھی ہمیں میٹھا اور شفا بخش شہد دیتی ہے یہ حقیقت ہمارے لیے ایک پیغام ہے۔ پھول ہمیں اپنی زبانِ حال میں یہ پیغام دیتا ہے: "میرے اندر جو خوبصورتی ہے وہ صرف اللہ کی تخلیق ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور مٹی، پانی اور روشنی کو بھی پیدا کیا۔ میں اپنے خالق کے ہونے، اس کے ایک ہونے اور اس کی صفات کا ثبوت ہوں۔ ہم پھول جو کہ مٹی سے نکلتے ہیں اُسی کے ہیں جو مٹی کا مالک ہے۔ مجھ جیسے دنیا کے تمام پھول ایک ہی سورج سے روشنی لیتے ہیں اور ایک ہی ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لیے سورج کا مالک ہی ہمارا بھی مالک ہے۔"

عزیز نوجوانو! جو شخص ایمان کی روشنی کے ساتھ مخلوقات کو دیکھتا ہے وہ یہ جان لیتا ہے کہ تمام موجودات اپنی زبانِ حال میں ہم سے بات کرتی ہیں اور وہ اس زبان کو کائنات میں سمجھ بھی سکتا ہے۔

دھیان سے سننے پر آپ سب کا شکریہ۔ میں آپ سب کے لیے ایک خوشحال اور کامیاب مستقبل کی دعا کرتا ہوں۔"

ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ طلبا کو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ تمام موجودات بغیر الفاظ کے انسانوں سے بات کرتی ہیں۔ اس گفتگو کے بعد فائن آرٹس کے ایک پروفیسر صاحب کا خطاب ہونا تھا لیکن اس سے پہلے 30 منٹ کا وقفہ تھا۔ طلبا کو تجسس تھا کہ اگلے مقرر کس بارے میں بات کریں گے۔ وہ تمام مقررین کی تقریروں سے اہم نکات نوٹ کر رہے تھے اور جتنا ممکن تھا اتنے غور سے سننے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایک جاہل شخص وہ کام انجام نہیں دے سکتا جس میں علم کی ضرورت پڑتی ہو

طلبا کو جو وقفہ دیا گیا تھا اس میں سب طلبا وقفہ کے لیے مخصوص ایک دالان کی طرف نکل گئے۔ کچھ طلبا نے یوسف صاحب سے اجازت مانگی اوراس جگہ کے دائیں کونے میں موجود کھاناپینافروخت کرنے والی مشین کی طرف بڑھ گئے۔ انہیں بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ یہ مشین پانی، سافٹ ڈرنکس اور بسکٹ جیسی اشیاء سے بھری ہوئی تھی۔ جب آپ مقررہ جگہ میں سکے ڈالتے ہیں تو کھانے یا پینے کی جو بھی چیز آپ چنتے ہیں وہ نچلے حصے سے نکل آتی ہے۔

یوسف صاحب انہیں دور سے دیکھ رہے تھے اور اپنے پاس کھڑے طلباء سے کہنے لگے:"آئیں ہم سب بھی آپ کے دوستوں کے ساتھ شامل ہوتے ہں۔"

چنانچہ سب طلبا مل کر اس مشین کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے اسکول میں ایسی کوئی مشین نہیں تھی اس لیے کچھ طلبا اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

یوسف صاحب نے کہا: "کیا یہ مشین بغیر بولے کمیونیکیشن کی مثال ہو سکتی ہے جس کا ہمارے پروفیسر نے ابھی ذکر کیا تھا؟"

مصطفیٰ نے جواب دیا: "جی ہاں سر! یہ ہو سکتی ہے کیونکہ یہ مشین اپنی زبانِ حال میں بات کرتی ہے۔ یہ کہتی ہے "اگر تمہیں مجھ سے پانی چاہیے تو میں پانی دے سکتی ہوں۔ اگر تمہیں بسکٹ چاہیے تو میں بسکٹ دے سکتی ہوں۔ اگر تمہیں چاکلیٹ چاہیے تو میں چاکلیٹ دے سکتی ہوں۔""

یوسف صاحب نے کہا:" بالکل درست ۔ کیا کسی اور کے ذہن میں بھی کوئی بات ہے؟"

بیٹل نے کہا: سر! اس مشین میں نہ عقل ہے اور نہ شعور ہے۔ یہ کیسے جان سکتی ہے کہ ہمیں پانی اور کھانے کی ضرورت ہے؟ یہ کسی ایسے شخص نے یہاں رکھی ہے جو انسانوں اور ان کی ضروریات کو جانتا ہے۔"

کلاس کے مانیٹر سعید نے تبصرہ کیا: سر! اگر کوئی اس مشین کو بھرے گا نہیں تو یہ کچھ بھی فراہم نہیں کر سکے گی۔"

یوسف صاحب نے کہا: "یہ بھی بالکل درست ہے۔ آپ سب نے واقعی زبانِ حال کے تصور کے ذریعے بولے بغیر کمیونیکیشن کے تصور کو سمجھ لیا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ابھی جو پروفیسر گفتگو کر رہے تھے انہوں نے کہا تھا:" ایک جاہل شخص کو وہ کام کرتے دیکھنا جس میں علم کی ضرورت ہو، غور و فکر کی جانب بلاتاہے۔"۔ اور اب ہم اس مشین کے ذریعے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ کیا یہ بے جان مشین ہمیں پانی فراہم کر رہی ہے اور ہماری پیاس بجھا رہی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ مشین جو تمام احساسات سے خالی ہے یہ ہماری خواہش کو جان سکے؟ یقیناً یہ نہیں جان سکتی۔ تو کیا ہمیں اس پر غور نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے پیچھے کون ہے؟ کیا مٹی کے بارے میں بھی یہی سوالات نہیں اٹھتے؟ مٹی کیسے جانتی ہے کہ ہمیں بھوک لگی ہے؟ کیا مٹی یا پانی جانتے ہیں کہ ہمیں گندم دے کر خوش اور مطمئن کیا جا سکتا ہے؟"

طلبا نے متفقہ طور پر کہا: یقیناً سر! وہ نہیں جان سکتے کیونکہ ان میں ایسی صلاحیت ہی نہیں ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "بالکل، یہ صرف درمیانی واسطے اور اسباب ہیں جن کے ذریعے ہمارے رب کے خزانہ رحمت سے برکتیں آتی ہیں۔ اللہ اپنی لامحدود رحمت کے خزانے سے برکتیں بھیجتاہے اور خشک درختوں کی شاخوں کوجو سردیوں میں بڑے ڈھانچوں

کی طرح نظر آتی ہیں بہار میں تازہ پھلوں سے بھر دیتاہے۔ یہ ہر سال ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے خزانہ رحمت کی کوئی حد نہیں ہے۔ جبکہ اگر اس مشین کو کوئی نہ بھرے تو یہ ہمیں اپنے طور پر کچھ بھی نہیں دے سکتی۔"

ریان نے کہا: سر!کیا یہی معاملہ اے ٹی ایم مشین کے ساتھ بھی نہیں ہے جو ہمیں پیسے دیتی ہے؟"

یوسف صاحب نے جواب دیا: "جی ہاں ریان ! بالکل ایسا ہی ہے۔ اے ٹی ایم کو بھی ہماری پیسے کی ضرورت کا علم نہیں ہوتا۔ ہماری ضروریات کو جاننا ان چیزوں کا کام نہیں ہے جن میں شعور، عقل اور جذبات نہیں ہوتے۔کیا کوئی اے ٹی ایم مشین ہمیں پیسے دے سکتی ہے اگر کوئی اس میں پہلے پیسے نہ بھرے ؟

بغیر مصور کے کوئی تصویر نہیں

وقفہ ختم ہوا اور طلبا دوبارہ ہال میں اپنی نشستوں پر آ گئے۔ میزبان نے اسٹیج سنبھالا اور فائن آرٹس کے پروفیسر کو اسٹیج پر دعوت دی۔ پروفیسر صاحب جو تقریباً پچاس سال کے لگ رہے تھے تالیوں کی گونج کے درمیان اسٹیج پر آئے اور آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی تقریر اسٹیج پر چلتے ہوئے کریں گے نہ کہ پوڈیم پر کھڑے ہو کر۔ اسٹیج پر بڑی اسکرین کے اوپر ایک تصویر دکھائی گئی۔

تصویر میں ایک آئل پینٹنگ تھی جس میں مختلف رنگ برنگی تتلیاں پھولوں پر منڈلا رہی تھیں۔ پروفیسر صاحب نے کہا: "میں آپ میں سے کسی رضاکار طالب علم کو اسٹیج پر بلانا چاہوں گا کیونکہ میں اس تصویر کی تشریح اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔" یہ سنتے ہی کلاس کی آرٹسٹ ریان نے فوراً اپنا ہاتھ اٹھایا اور پروفیسر کی نظر اس پر پڑ گئی۔ چونکہ وہ اسٹیج کے قریب ہی بیٹھی تھی تو پروفیسر صاحب نے جلدی سے اسے یہ کہہ کر بلا لیا:"برائے مہربانی اسٹیج پر آئیں۔"

ریان اسٹیج کی طرف جاتے ہوئے بہت پرجوش ہو گئی اور اس کے ذہن میں مختلف خیالات گردش کرنے لگے جیسے "مجھے واقعی پینٹنگ کرنا پسند ہے لیکن ایک یونیورسٹی پروفیسر کے ساتھ مل کر تصویر کی تشریح کرنا؟" وہ پروفیسر کے ساتھ کھڑی ہو گئی جنہوں نے پہلے تو اس کے اعتماد کی تعریف کی اور پھر اس کا نام پوچھا۔ ساتھ ہی پرسکون رہنے کا کہا۔

پھر کہا:ٹھیک ہے ریان! اب ہم اس خوبصورت تصویر کا ایک ساتھ تجزیہ کرتے ہیں۔ یہ تصویر ہمیں کیا بتاتی ہے؟ آئیے اس پر مل کر اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔"

ریان نے کہا: "ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں۔ مجھے کینوس پر تتلیاں نظر آ رہی ہیں۔ ہر تتلی بہت خوبصورت اور ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ پس منظر میں صاف آسمان بھی ہے اور رنگ برنگے پھول اور درخت بھی ہیں۔ تتلیاں اڑ رہی ہیں اور ایک مصوری کے رنگوں والی پلیٹ بھی ہے جس پر مختلف سائز کے برش اور رنگ نظر آ رہے ہیں۔

پروفیسر صاحب نے کہا: بہت اچھی وضاحت ہے ریان۔کیا تمہیں لگتا ہے کہ یہ تصویر خودبخود بن گئی ہو گی؟

ریان نے کہا: بالکل نہیں سر! ایسا ممکن نہیں ہے۔ صرف ایک ماہر مصور ہی اتنی خوبصورت تصویر بنا سکتا ہے۔ ہم تو یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ مصور نے تصویر کے نیچے اپنا نام لکھا ہے۔"

پروفیسر صاحب نے کہا: بالکل درست اور مصور کا نام اس کے دستخط میں واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔ یقیناً ایک مصور نے ہی یہ تصویر بنائی ہے کیونکہ بغیر مصور کے کوئی تصویر نہیں بن سکتی اور پتھر تراشنے والے کے بغیر کوئی مجسمہ نہیں بن سکتا۔ یہ خوبصورت پینٹنگ ایک ماہر مصور کے احساسات اور ہنر کا نتیجہ ہے۔ پیاری ریان! میں تم سے ایک اور سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ تصویر کے رنگ بےترتیب ہو کر یہاں وہاں بکھر کر ان تتلیوں کی مختلف شکلیں بنا سکتے ہیں؟"

ریان نے کہا: "نہیں، یہ ناممکن ہے"

پروفیسر صاحب نے پوچھا :کیوں؟

ریان نے جواب دیا:"کیونکہ ایک منظم شکل بےترتیب بکھرے ہوئے رنگوں کا نتیجہ نہیں ہو سکتی اور رنگوں میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ خود سے یہ تصویر بنا سکیں"

پروفیسر نے کہا: مبارک ہو ریان، تم بالکل صحیح ہو۔ پینٹنگ بنانے میں استعمال ہونے والے بے جان رنگ خود اس تصویر کے مصور نہیں ہو سکتے۔ مزید یہ کہ تصویر بنانے کے لیے استعمال ہونے والا برش بھی مصور کے ہنر کا مالک نہیں ہو سکتا۔ یہی معاملہ کینوس کا بھی ہے۔"

پھر پروفیسر صاحب دوبارہ سامعین کی طرف مڑے اور وضاحت کرنے لگے: "میرے پیارے نوجوان دوستو! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں پہلے ایک اعتراف کرنا چاہوں گا۔ ہال میں موجود سامعین خصوصاً ریان بہت پرجوش ہو گئے۔ پروفیسر نے جاری رکھا: میں بھی کبھی کبھار تتلیوں کی تصویریں بناتا ہوں۔ میں ایک تتلی کو بطور نمونہ لیتا ہوں، اسے دیکھتا ہوں، غور سے مطالعہ کرتا ہوں اور پھر اس کی تصویر بنانا شروع کرتا ہوں۔ میں پہلے پر سے شروع کرتا ہوں لیکن جب دوسرے پر کو بناتا ہوں تو مجھے زیادہ احتیاط اور توجہ کی ضرورت پڑتی ہے۔"

ریان نے دلچسپی سے پوچھا: جب آپ دوسرے پر کو بناتے ہیں تو آپ کو زیادہ احتیاط اور توجہ کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

پروفیسر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: " جب میں تتلی کے دوسرے پر کو بناتا ہوں تو میں اسے پہلے پر کو دیکھ کر اور ناپ کر بناتا ہوں۔ اس میں توجہ اور احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ تتلی کے دونوں پروں میں مکمل ہم آہنگی، عمدہ ترتیب اور ایک جیسی پیمائش ہوتی ہے۔

جب پروفیسر صاحب یہ باتیں سمجھا رہے تھے تو نوجوان آرٹسٹ ریان اپنے تجربات کی روشنی میں ان کی باتوں سے متفق ہو کر سر ہلا رہی تھی۔

خالق مخلوق کی نوع میں سے نہیں ہو سکتا

پروفیسر صاحب نے ریان کا شکریہ ادا کیا اور اسے اپنی نشست پر واپس بھیج دیا اور کہنے لگے: "ہاں تو پیارے دوستو! ہم سب نے یہ دیکھا کہ کوئی تصویر بغیر مصور کے نہیں بن سکتی اور نہ ہی کبھی بن سکی ہے۔ جب ہم تصویر بنانے کے عمل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں دو عناصر نظر آتے ہیں: پہلا عنصر مفعول یعنی تصویر ہے جبکہ دوسرا عنصر فاعل یعنی وہ مصور ہے جس نے تصویر بنائی۔ تصویر وہ شے ہے جس پر کام کیا گیا ہے اور مصوریعنی کام کرنے والا ہے جو کہ تصویر کو بناتا، رنگتا اور اس کی پیمائشیں ترتیب دیتا ہے۔ مصور کو لازمی طور پر اعلیٰ درجے کی مہارتوں کا حامل ہونا چاہیے۔ ایک مصور بغیر تصویر کے ہو سکتا ہے لیکن کوئی تصویر بغیر مصور کے وجود میں نہیں آ سکتی۔ یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مصور اور تصویر ایک ہی نوع کے نہیں ہو سکتے۔فاعل کی حقیقت مفعول سے مختلف اور اعلیٰ ہونی چاہیے۔ مصور کو روشنی، بصری زاویوں، تین جہتی سوچ اور رنگوں کی ہم آہنگی جیسے بہت سارے علوم اور ان علوم کو استعمال میں لانے کی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ تصویر کی درست پیمائش کر سکے اور اسے بنا سکے۔ یہ خصوصیات نہ تو تصاویر میں موجود ہوتی ہیں، نہ برش میں اور نہ ہی رنگوں میں۔

یہی بات مجسموں پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک عام سا مجسمہ بھی اپنے طور پر وجود میں نہیں آ سکتا۔ کوئی مجسمہ خود کو نہیں بنا سکتا اور فائن آرٹس کے پروفیسر کے طور

پر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رنگ اور برش بغیر کسی زندہ اور باشعور مصور کی موجودگی کے خود بخود کوئی تصویر بناتے ہوں اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی ایسا ہتھوڑا دیکھا ہے جس نے خود سے کوئی مجسمہ تراشا ہو اور نہ ہی کسی اور نے ایسا دیکھا ہوگا۔

پروفیسر صاحب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: تو آیئے ہم مل کر ایک حقیقی تتلی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ایک حقیقی تتلی اڑتی ہے اور سانس لیتی ہے۔ اس کا ایک نظامِ تنفس ہوتا ہے۔ اس کے پر پھڑپھڑاتے ہیں اور وہ تقریباً کبھی نہیں رکتے۔ مزید یہ کہ اس کا ایک نظامِ دورانِ خون ہوتا ہے ۔ اسے ایسا نظام اس لیے درکار ہوتا ہے تاکہ خون پمپ ہوتا رہے اور اس کے پر مسلسل حرکت میں رہ سکیں۔ اسے بڑھنے اور پروان چڑھنے کے لیے نظامِ ہضم کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور بہت سے دوسرے نظام اور اعضا بھی درکار ہوتے ہیں تاکہ وہ حرکت کر سکے اور زندہ رہ سکے اور خاص طور پر دنیا میں جی سکے اور روزانہ کے کھانے کی تلاش کر سکے۔ ہم نے ابھی کہا تھا کہ کاغذ پر ایک بے جان تتلی کو بنانے کے لیے بھی ایک ماہر مصور کا ہونا لازمی ہے۔ تو پھر ایک زندہ اور متحرک تتلی کیسے بغیر خالق کے وجود میں آ سکتی ہے؟

میرے سائنس ڈیپارٹمنٹ کے ایک دوست اس سوال کا جواب دیں گے اور آپ کو مزید وضاحت فراہم کریں گے۔ میں اب انہیں اسٹیج پر مدعو کرتا ہوں۔ دھیان سے سننے کے لیے آپ کا شکریہ اور اپنا خیال رکھیں۔"

میزبان دوبارہ اسٹیج پر نمودار ہوئے اور فائن آرٹس کے پروفیسر کا اتنی خوبصورت گفتگو کے لیے شکریہ ادا کیا۔ پھر سائنس کے پروفیسر کو اسٹیج پر دعوت دی۔

سائنس کے پروفیسر اگرچہ ضعیف تھے لیکن توانائی سے بھرپور تھے۔ انہوں نے ہال میں موجود سامعین کو زور دار آواز میں سلام کیا اور اسکرین پر ایک عبارت دکھائی۔

اسکرین پر ایک ایسی عبارت لکھی ہوئی تھی جو سمجھنا مشکل تھی ۔ پروفیسر نے ہال میں موجود تمام حاضرین سے سوال کیا: آپ کے خیال میں یہاں کیا لکھا ہوا ہے؟ سب نے لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھا مگر کوئی جواب نہ دے سکا۔

اچانک اگلی صفوں میں بیٹھے ایک اور اسکول کے طالب علم نے کہا: "مجھے سمجھ آگیا"

سائنس کے پروفیسر نے شاباش دیتے ہوئے پوچھا:"جی بیٹا! بتائیں۔"

طالب علم نے کہا: یہ لکھا ہے کہ : "ایک تتلی کی تصویر بنانے کے لیے بھی ماہر مصور کی ضرورت ہوتی ہے" اور واقعی یہی لکھا ہوا تھا۔

پروفیسر نے نوجوان کو شاباش دی اور اس کی تعریف کی اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: میں نے آپ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یہ جملہ الٹا لکھا تھا۔ شاباش آپ نے بہت جلدی اسے حل کر لیا۔ میرے نوجوان دوستو! میں وہیں سے بات آگے بڑھانا چاہتا ہوں جہاں میرے معزز دوست نے ختم کی تھی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دن میں تتلیاں پھڑپھڑاتی ہیں اور رات میں پروانے۔ یہ دونوں قسم کے کیڑے ایک جیسے نظر آتے ہیں اور سائنسی طور پر انہیں پروں والے حشرات کے ایک ہی گروپ (Lepidoptera)سے تعلق رکھنے والا مانا جاتا ہے لیکن ان میں کچھ فرق بھی ہوتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ تتلیوں اور پروانوں کی ایک لاکھ پچاس ہزار اقسام پائی جاتی ہیں؟ ایک زندہ، رنگین اور اڑتی ہوئی تتلی یا پروانے کا ماحول کے ساتھ گہرا ربط ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر تتلیوں کو راستہ اور سمت تلاش کرنے کے لیے سورج کی روشنی درکار ہوتی ہے۔ اور تتلیوں اور پروانوں کو بغیر کسی مشکل کے اڑنے کے لیے کششِ ثقل کے قانون کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ان کا اس کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے۔ ان کا پھولوں اور ان کے بیجوں کے ساتھ بھی قریبی تعلق ہوتا ہے۔ تتلیاں جو صرف ایک یا دو ماہ جیتی ہیں کسی سے اڑنے کی تربیت نہیں لیتیں اور ہوابازی کے اصول جانے بغیر خود سے اڑنا شروع کر دیتی ہیں۔ اور جہاں تک پروانوں کا تعلق ہے تو ان کے سونگھنے اور سننے کے نظام خاص طور پر حیران کن اور انتہائی حساس ہوتے ہیں۔ کچھ اقسام کے

پروانے دوسرے پروانوں کو 5 کلومیٹر کے فاصلے سے سونگھ سکتے ہیں۔

میرے عزیز دوستو! جو کوئی تتلیوں اور پروانوں کو بناتا ہے اس میں وہ صفات لازمی ہونی چاہئیں جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے ۔ سب سے پہلے تو اسے ان کے زندگی گزارنے کے ماحول کا مکمل علم ہونا چاہیے تاکہ وہ انہیں اس ماحول کے مطابق ڈیزائن کر سکے۔ جیسا کہ ان تتلیوں اور پروانوں کو اسی نظام اور ماحول میں زندہ رہنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اسے تتلی اور سورج کے درمیان تعلق کا علم ہونا چاہیے اور پروانے اور زمین کی کششِ ثقل کے درمیان تعلق کا بھی علم ہونا چاہیے۔ جو ان معاملات کو نہیں سمجھتا وہ تتلی کا خالق نہیں ہو سکتا۔

عزیز دوستو! مکھیوں، تتلیوں اور پروانوں جیسی مخلوقات کو ایک ہی قسم کی واحد مخلوق کے طور پر نہیں بنایا جاتا بلکہ انہیں بڑی تعداد میں اور بہت ہی کم وقت میں تخلیق کیا جاتا ہے۔ لیکن اتنی بڑی تعداد اور تیز رفتاری کے باوجود وہ سب ایک ہی مخصوص شکل ، کمال اور حسن سے مزین ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کسی شاہکار کی مانند ہوتا ہے۔

ہر چیز دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہے

تتلی کے زندہ رہنے، غذا حاصل کرنے اور اُڑنے کے لیے اسے جو کچھ بھی درکار ہے وہ سب کچھ اس کے لیے مہیا کیا جانا ضروری ہے۔ تو جو تتلی کا مالک ہے وہی سورج کا بھی مالک ہے۔ کیونکہ تتلی کو زندہ رہنے، دیکھنے، خوراک تلاش کرنے اور اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لیے سورج کی روشنی اور گرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کائنات میں ایک ربط ہے۔ ہر چیز دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہے۔ ہر زندہ مخلوق کی بینائی، پرواز اور زندگی بے شمار عوامل سے جڑی ہوئی ہے۔ جو ان عوامل سے واقف نہیں ہے وہ تتلی کو پیدا نہیں کر سکتا۔ تتلی کا خالق وہی ہو سکتا ہے جو اس کی زندگی کے تمام ضروری حالات بھی پیدا کرے۔ جو تتلی کی آنکھ بناتا ہے وہی نظام شمسی کا بھی خالق ہے۔ کیونکہ کائنات میں موجود ہر چیز کائنات کی ہر دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہے۔

جو بے جان ہے وہ زندگی نہیں دے سکتا

میں اس نکتے کو ذرا مزید واضح کرنا چاہتا ہوں۔ مثال کے طور پر ایک اُڑتی ہوئی تتلی کی سب سے حیرت انگیز خصوصیت اس کی زندگی ہے۔ زندگی ایک بہت اعلیٰ صفت ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جو اتنی اعلیٰ صفت دے سکتا ہے اس میں خود بھی بہت اعلیٰ صفات ہونا ضروری ہیں۔ اس لیے جو کسی زندہ چیز کو تخلیق کرتا ہے اس کا خود بھی زندہ ہونا ضروری ہے۔ یعنی اس میں زندگی ہونی چاہیے۔ جو خود بے جان ہے وہ دوسروں کو زندگی کیسے دے سکتا ہے؟ لہٰذا پانی، مٹی، ہوا اور سورج جیسی بے جان چیزیں تتلیوں کو پیدا نہیں کر سکتیں۔

میرے پیارے نوجوان دوستو! جو ذات تتلیوں اور دیگر مخلوقات کو آنکھیں دیتی ہے اسے سورج کا بھی مالک ہونا چاہیے کیونکہ آنکھ بغیر سورج کے کام نہیں کر سکتی۔ جو تتلی کو سماعت کا نظام دیتا ہے وہی آوازوں کا بھی خالق ہے۔ اگر آوازیں نہ ہوں تو کان کس کام کے؟ لہٰذا اللہ جو مخلوقات کو دیکھنے کی صلاحیت دیتا ہے وہ خود بھی دیکھنے والا ہے۔ ہمارا رب جس نے تمام مخلوقات کو منفرد سماعتی نظام عطا کیے ہیں کیا وہ یہ

صلاحیت کسی اور کو دے سکتا ہے اگر وہ خود سن نہیں سکتا ؟ کیا یہ کہنا عقل کی بات ہو گی کہ اللہ گفتگو اور بات چیت کرنا نہیں جانتا حالانکہ وہی تمام مخلوقات کو بے شمار مختلف طریقوں سے ایک دوسرے سے بات چیت کروا رہا ہے؟ کیا ایسا کہنے میں ذرا سی بھی سمجھداری ہو گی؟

تالیاں بجنے کے بعد میزبان اسٹیج پر واپس آئے اور یہ مشورہ دیا: میرے پیارے دوستو! لگتا ہے آپ تھوڑے تھک گئے ہیں اور جن موضوعات پہ باتیں ہو رہی ہیں وہ واقعی بہت خوبصورت ہیں۔ سامعین کی کیفیت دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ ہمیں شاید اگلی باتوں کو زیادہ توجہ اور توانائی کے ساتھ سننے کے لیے ایک وقفے کی ضرورت ہے۔ اب ہم طے شدہ پروگرام کے مطابق 30 منٹ کا وقفہ کریں گے جس میں چائے اور ریفریشمنٹ دستیاب ہوں گے۔"

بہت زیادہ باورچی سالن کو خراب کر دیتے ہیں

دالان میں ان کو چائے اور بسکٹ پیش کیے گئے۔ طلبا اس بڑے سے دالان میں یوسف صاحب کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اس جگہ کے مختلف حصوں میں رکھے گئے بڑے بڑے مچھلی پالنے کے ٹینکوں نے ان کی توجہ حاصل کر لی۔ وہ ان میں سے ایک کو دیکھنے کے لیے گئے۔ مچھلی پالنے کے ٹینک واقعی خوبصورت لگ رہے تھے۔ ان کے اندر کئی رنگ کی مچھلیاں اور سبز الجی موجود تھی۔ پانی کے اندر اور اس کی سطح پر ہوا کے بلبلے نظر آ رہے تھے۔

یوسف صاحب نے پوچھا: "کیا آپ میں سے کسی کے گھر میں مچھلی کا ٹینک ہے؟

بیٹل نے جواب دیا: "سر!ہمارے گھر میں ہے۔"

یوسف صاحب نے پوچھا: "کیا مچھلیوں کا خیال رکھنا مشکل ہے؟"

بیٹل نے جواب دیا:" جی ہاں سر! یہ تھوڑامشکل کام ہے لیکن میرے والد اس کا خیال رکھتے ہیں۔ میں ان کی مدد کرتی ہوں اور یہ بڑا مزے دار کام ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "کیا آپ ہمیں بتا سکتی ہیں کہ آپ کے والد اس کا خیال کیسے رکھتے ہیں؟"

بیٹل نے کہا:" جی ہاں سر! ٹینک میں توازن کا ہونا بہت اہم ہوتا ہے۔ میرے والد تو کہتے ہیں: "زندگی نام ہی توازن کا ہے۔" مثلاً ٹینک میں بجلی کا آکسیجن پمپ کام کرتا ہے اور پانی میں صاف آکسیجن بھیجتا ہے۔ آکسیجن کی مقدار نہ تو زیادہ ہونی چاہیے اور نہ ہی کم۔ اسے بالکل متوازن ہونا چاہیے۔ ایک بار ہم چھٹیوں پر گئے اور ہوا کا پمپ خراب ہوگیا جس کی وجہ سے مچھلیوں کو آکسیجن نہیں ملی۔ ہم اپنی ساری مچھلیاں کھو بیٹھے۔ اس کے علاوہ ٹینک کو صاف رکھنا بہت ضروری ہے۔ ہم مسلسل پانی کو بجلی کے ایک فلٹر کے ذریعے صاف کرتے ہیں کیونکہ مچھلیوں کے فضلے سے پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ گندے پانی میں مچھلیاں پروان نہیں چڑھ سکتیں۔ وہ بیمار ہو جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہم کیٹ فش خریدتے ہیں جو ٹینک کی گندگی کھا کر اسے صاف رکھنے میں مدد کرتی ہیں۔

میرے والد نہیں چاہتے کہ کوئی اور مداخلت کرے تاکہ ٹینک میں توازن اور ترتیب متاثر نہ ہو۔ میں کبھی نہیں بھولوں گا جب ہمارا ایک کزن ہمارے گھر مہمان بن کر آیاتھا۔ میرے والد کو بتائے بغیر اس نے مچھلیوں کو غلط کھانا دےدیا اوربہت زیادہ دے دیا جس کی وجہ سے ہماری مچھلیاں بیمار ہو گئیں۔ اس وقت میرے والد نے ہمیں اس کہاوت کا مطلب سمجھایا تھا کہ:" بہت سے باورچی سالن خراب کر دیتے ہیں"

یوسف صاحب نے پوچھا: "جیسا کہ آپ نے کہا بیٹل! مچھلیوں کے ٹینک کا خیال رکھنا واقعی آسان کام نہیں ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟

بیٹل نے جواب دیا:سر! بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ ہم چھوٹی اور بڑی مچھلیوں کو علیحدہ خانوں میں کھلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹینک میں روشنی کی مقدار بہت اہم ہے۔ بہت زیادہ روشنی نہیں ہونی چاہیے تاکہ مچھلیوں کو پریشانی نہ ہو۔

یوسف صاحب کہنے لگے: یہ تو واقعی بہت توجہ اور دیکھ بھال کا کام ہے۔ آپ کے گھر میں مچھلی کا ٹینک کتنا بڑا ہے؟ کیا یہ ایک کمرے جتنا بڑا ہے؟

بیٹل نے جواب دیا: نہیں سر یہ اتنا بڑا نہیں ہے۔ اس کی لمبائی 1.5 میٹر اور چوڑائی 70 سینٹی میٹر ہے۔

یوسف صاحب نے کہا: " میرے دوستو !آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک چھوٹے سے مچھلی کے ٹینک کا خیال رکھنے کے لیے کتنی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے؟ اس کی باقاعدہ توجہ اور مچھلیوں کی ضروریات کا بروقت خیال رکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص مداخلت کرے تو یہ سارا نظام متاثر ہو جاتا ہے۔

آئیں ذرا یہ سوچتے ہیں کہ ندیوں، جھیلوں، دریاؤں اور سمندروں میں مچھلیوں کا خیال کون رکھتا ہے؟ وہاں آکسیجن کا توازن کون برقرار رکھتا ہے؟ مچھلیوں اورپانی کی دوسری مخلوقات کو کون کھانا دیتا ہے اور ان کا خیال رکھتا ہے؟ کون ان کے لیے صفائی کا بندوبست کرتا ہے؟

مثلاً ذرا سوچیں کہ سمندری مخلوقات بس ریت اور پانی سے اپنا رزق حاصل کر لیتی ہیں۔ کچھ مچھلیاں لاکھوں انڈے دیتی ہیں اس کے باوجود سمندروں میں زندگی کا توازن متاثر نہیں ہوتا۔ یہ بہترین توازن کون قائم کرتا ہے اور برقرار رکھتا ہے؟

سیب کے اندر تک دیکھنا

میرے پیارے نوجوان دوستو! آئیے غور کریں کہ ہماری دنیا خلا میں تیزی سے گھومتی ہے پھر بھی سمندر زمین پر نہیں چڑھ دوڑتے اور یہ مکمل نظام چلتا رہتا ہے۔ اس نظام کا موجود ہونا اور اس کا مکمل طور پر چلتے رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کام ایک ہی ذات کی طرف سے انجام دیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا خالق ہوتا تو چیزیں بے ترتیبی حتیٰ کہ انتشار میں چلی جاتیں اور نظام ٹوٹ جاتا۔ کیونکہ اگر بہت سے باورچی ہوں تو سالن خراب ہی ہو گا۔ اسی لیے سمندر کی مخلوقات کی دیکھ بھال، تنظیم، نگہداشت اور ان کی خوراک کا انتظام صرف ہمارے ایک رب کے علم اور طاقت کے ساتھ ممکن ہے"

طلبا یوسف صاحب کی وضاحت سن رہے تھے اور ساتھ میں چائے بھی پی رہے تھے۔

غیر متوقع لیکچرر

وقفہ جلد ختم ہوگیا۔ تمام طلبا ہال میں واپس آئے اور خاموشی سے اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ وہ تازہ دم تھے اور اگلے لیکچرر کو سننے کے لیے بے چین تھے۔ طلبا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب مقرر نے اسٹیج پر ڈاکٹر یوسف صاحب کو دعوت دی جنہوں نے استنبول یونیورسٹی آف اسلام اور سائنس سے اسلامی علوم میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر رکھی تھی۔ یہ طلبا کے لیے واقعی غیر متوقع تھا۔ وہ حیران بھی تھے اور خوش بھی تھے ۔ اس سے پہلے وہ اپنے استاد کے اس پہلو کو نہیں جانتے تھے۔

جب ان کے استاد اسٹیج پر چڑھے تو ان کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی۔ وہ سب اپنے استاد پر فخر محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف خوشی سے دیکھا ۔ شروع میں تالیاں بجائیں اور پھر پوری توجہ سے یوسف صاحب کو سنا۔

یوسف صاحب نے کہا:"پیارے نوجوان دوستو اور محترم اساتذہ! میں چاہوں گا کہ ایمان کے چھ ستونوں میں سے چار کو مختصراً اور جامع طور پر آپ کے سامنے بیان کروں ۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں ایمان کے چھ ستون ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ نے ان چھ ستونوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ " اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی اور بری تقدیر ایمان رکھنا ہے ۔

اب میں اس حدیث میں ذکر کردہ ترتیب کے مطابق ایمان کے چھ ستونوں کی مختصر وضاحت کرنا چاہوں گا۔"

ہر نظم اپنے شاعر کو ظاہر کرتی ہے

"پیارے نوجوان دوستو! اللہ پر ایمان لانے کا مطلب ہے اس کے ہونے، اس کے ایک ہونے اور اس کا کوئی شریک نہ ہونے پر یقین رکھنا۔ وہی ہے جس نے کچھ نہیں سے سب کچھ تخلیق کیا۔ کائنات میں موجود ہر چیز اللہ کے ہونے کی دلیل ہے۔ جس طرح ایک فن پارہ اپنے تخلیق کار کے وجود کی گواہی دیتا ہے اسی طرح کائنات میں موجود ہر چیز اللہ کے وجود کی گواہی دیتی ہے جس نے اسے تخلیق کیا ہے۔ جس طرح ایک نظم بغیر شاعر کے وجود میں نہیں آ سکتی یا کوئی عمارت بغیر معمار کے نہیں بن سکتی اسی طرح کائنات بھی بغیر خالق کے وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ کائنات میں ترتیب کا ہونا اور بے ترتیبی کا نہ ہونا اللہ کے ایک ہونے کی دلیل ہے۔ ایٹمز سے لے کر کہکشاؤں تک جو شاندار اور مکمل ترتیب ہمیں کائنات میں ہر جگہ نظر آتی ہے یہ واضح طور پر اللہ کے ایک ہونے کی نشاندہی کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جہاں کہیں بھی ترتیب ہے وہاں توحید ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں یا ایک شہر میں دو گورنر ہوں یا ایک اسکول میں دو پرنسپل ہوں تو اس ملک، شہر یا اسکول کے ہر پہلو میں بے ترتیبی اور خرابی ہوگی۔ تصور کریں اگر آپ کے اسکول میں دو پرنسپل ہوں تو کیا ہوگا؟ کیا چیزیں پیچیدہ نہیں ہوں گی؟ کیا ایک پرنسپل دوسرے کے فیصلوں کی مخالفت نہیں کرے گا جس سے مسائل پیدا ہوں گے؟"

فرشتوں کو نہ دیکھ پانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ موجود نہیں

پیارے دوستو! میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا یہاں کسی نے آسٹریلیا کا دورہ کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو براہ کرم اپنا ہاتھ اٹھائیں۔"

ہال میں کوئی ہاتھ نہیں اٹھا۔

پھر یوسف صاحب نے کہا: "کیا دنیا میں کوئی ایسا براعظم ہے جسے آسٹریلیا کہا جاتا ہے؟"

سب نے کہا:"جی ہاں ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "پیارے نوجوان دوستو! فرشتے انسانوں سے مختلف جہان میں رہتے ہیں۔ جس روحانی دنیا میں فرشتے موجود ہیں وہ ہماری دنیا سے مختلف ہے۔ اگرچہ ہم آسٹریلیا نہیں گئے اور وہاں رہنے والے لوگوں کو نہیں دیکھا لیکن ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ موجود ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی وہاں جا کر ان سے ملتا تو یہ ہمارے لیے ان کی موجودگی کی مضبوط دلیل ہوتی۔ اسی طرح ہم فرشتوں کی موجودگی کے بارے میں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہر دین سے، فرشتوں سے ملاقات کرنے والے تمام نبیوں سے اور ہمارے رب کی جانب سے بھیجی گئی مقدس کتابوں سے سیکھتے ہیں۔

پیارے دوستو! فرشتے نور سے تخلیق شدہ باشعور مخلوق ہیں جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ وہ اپنے رب کی جانب سے دیے گئے مختلف کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ ہم اگر انہیں نہیں دیکھ سکتے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ موجود نہیں ہیں۔ ہم کئی ایسی چیزوں کی موجودگی کو بلا جھجھک قبول کرتے ہیں جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے براہ راست نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً کچھ جاندار صرف خوردبین سے دیکھے جا سکتے ہیں اور کچھ سیارے اور ستارے صرف دوربین کے ذریعے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے لیکن ان کے متعلق ہم اس میدان کے ماہرین پر اعتماد کرتے ہیں۔ چونکہ تمام نبی

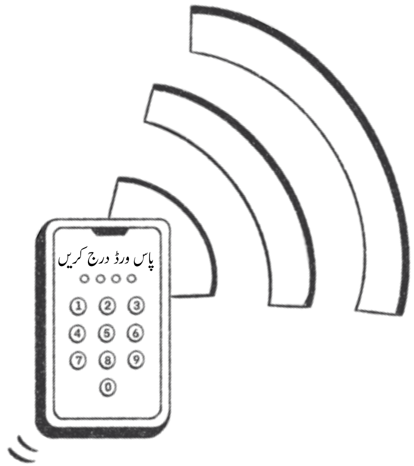

ہمارے رب کے قابل اعتماد پیغامبر ہیں اور روحانیت کے میدان میں ماہر ہیں ان تمام نبیوں کا یہ کہنا ہے کہ : "فرشتے موجود ہیں اور ان کا وجود حقیقت ہے اور ہم ان سے مل چکے ہیں" لہذا نبیوں کا یہ کہنا ہمارے ایمان کے لیے ایک دلیل بن جاتا ہے۔

ہم اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو نہیں دیکھ پاتے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ہمیں ان کی موجودگی پر شک کرنا چاہیے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی موجودگی پر ہمیں کوئی شک نہیں ہے حالانکہ ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً ہم اپنی آنکھوں سے اپنے موبائل فونز میں موجود برقی مقناطیسی لہروں کو نہیں دیکھ سکتے لیکن ہم ان کی موجودگی کو یقینی طور پر مانتے ہیں۔ ہوا میں کئی ایسی چیزیں موجود ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے جیسے ریڈیو لہریں، آواز کی لہریں اور ٹیلی ویژن کی لہریں وغیرہ لیکن انہیں نہ دیکھ پانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ موجود نہیں ہیں۔

عزیز نوجوانو! فرشتوں کو نہ دیکھ سکنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس وقت اس دنیا میں نہیں دکھایا گیا جس میں ہم آزمائش کے لیے بھیجا گیاہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ ہم زمین پر انہیں دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

پیارے دوستو! اب میں مقدس کتابوں پر ایمان کے بارے میں مختصراً بات کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ نے ہمیں صحیح راستہ دکھانے اور ان قوانین کو سکھانے کے لیے نبیوں کو بھیجا جو اس دنیا اور آخرت میں آسانیاں لاتے ہیں۔انبیاء وہ پیغام رساں ہیں جو لوگوں کے لیے ان معاملات کی وضاحت کرتے ہیں جن کا جواب ان کی عقل نہیں دے سکتی۔ ہمارے رب نے اپنے بعض نبیوں پر کتابیں اور صحیفے نازل کیے اور دوسرے

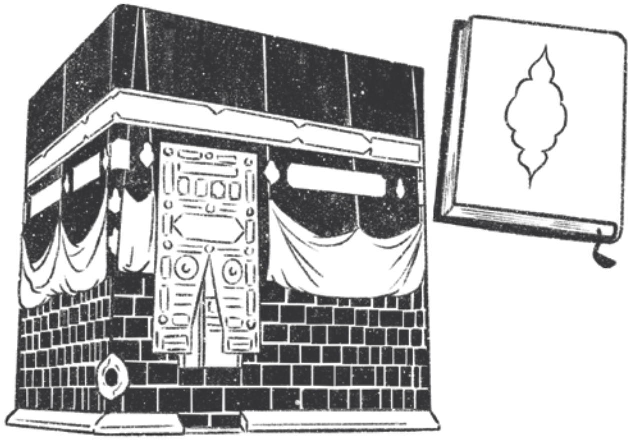

انبیاء جنہیں کتابیں یا صحیفے نہیں دیے گئے انہوں نے اپنے سے پہلے نبی کی کتاب یا صحیفے کے مطابق اپنے فرائض کو پورا کیا۔

چار عظیم کتابیں اور وہ نبی جن پر یہ نازل ہوئیں یہ ہیں:تورات سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر، زبور سیدنا داؤد علیہ السلام پر، انجیل سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن سیدنا محمد ﷺ پر۔ پہلی تین کتابیں اللہ کی جانب سے نازل کردہ شکل پر باقی نہیں رہیں۔ لوگوں نے دنیاوی مفادات کے لیے وقت کے ساتھ انہیں تبدیل اور خراب کر دیا جس کی وجہ سے یہ کتابیں اپنی حیثیت کھو چکی ہیں۔ تاہم ہماری مقدس کتاب قرآن اس دن سے محفوظ ہے اور تبدیل نہیں ہوئی جب سے یہ ہمارے نبی ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور قیامت کے دن تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکے گی جیسا کہ ہمارے رب نے وعدہ کیا ہے۔

انسانیت کو نبیوں کی ضرورت ہے

پیارے دوستو! انبیاء اللہ کے چنے ہوئے وہ افراد ہیں جنہیں اس نے لوگوں میں بھیجا۔ وہ مثالی رہنما اور نمونہ ہیں۔ نبیوں کی تاریخ کا آغاز پہلے انسان سے ہوتا ہے جو کہ سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ پہلے نبی ہیں۔ جس طرح لوگوں کو ان چیزوں کے بارے میں سکھانے کے لیے اساتذہ کی ضرورت ہوتی ہے جو وہ نہیں جانتے اسی طرح انہیں ایمان، عبادت اور اخلاق جیسے معاملات کی تعلیم کے لیے بھی نبیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

پیارے نوجوان دوستو! کائنات میں کچھ بھی بے مقصد نہیں ہے کیونکہ کائنات اللہ کی تخلیق ہے جس کی حکمت کی کوئی حد نہیں ہے۔ انبیاء وہ پیغمبر ہیں جو لوگوں کو اللہ کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے تخلیق کی ہوئی نشانیوں کے ذریعے اس کی پہچان کراتے ہیں ۔ ہمارے رب نے اپنے نبیوں کے ذریعے یہ بتایا کہ اس نے انسانوں اور دیگر مخلوقات کو کیوں پیدا کیا اور وہ ان سے کیا چاہتا ہے۔ یہ پیغمبر ہمیں عبادات، اخلاقیات اور معاشرتی زندگی سے متعلق معاملات میں وہ رہنمائی فراہم کرتے ہیں جو اللہ نے وحی کے ذریعے ان پر نازل کی ہے۔

ہمیں صحت مند رہنے اور اپنی جسمانی بیماریوں کا علاج کرنے کے لیے ڈاکٹروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمیں نبیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں دنیاوی اور روحانی، ذاتی اور سماجی مسائل اور بیماریوں کا علاج سکھاتے ہیں۔

انبیاء اس دنیا میں انسانی وجود کے مقصد کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں اور لوگوں کو ان حقائق کی تعلیم دیتے ہیں جو اللہ نے انہیں وحی کیے ہیں۔ ہم نبیوں کے بغیر اس دنیا میں انسانی وجود کے معنی اور تخلیق کے مقصد کو نہیں جان سکتے۔ نبی ہی انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے، کیسے کرنا چاہیے اور خاص طور پر کیوں کرنا چاہیے۔ ان بابرکت پیغمبروں کے ذریعے ہی کوئی یہ جان سکتا ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر اسے کیا ملے گا اور اگر وہ انہیں نہیں کرے گا تو کیا کھوئے گا۔

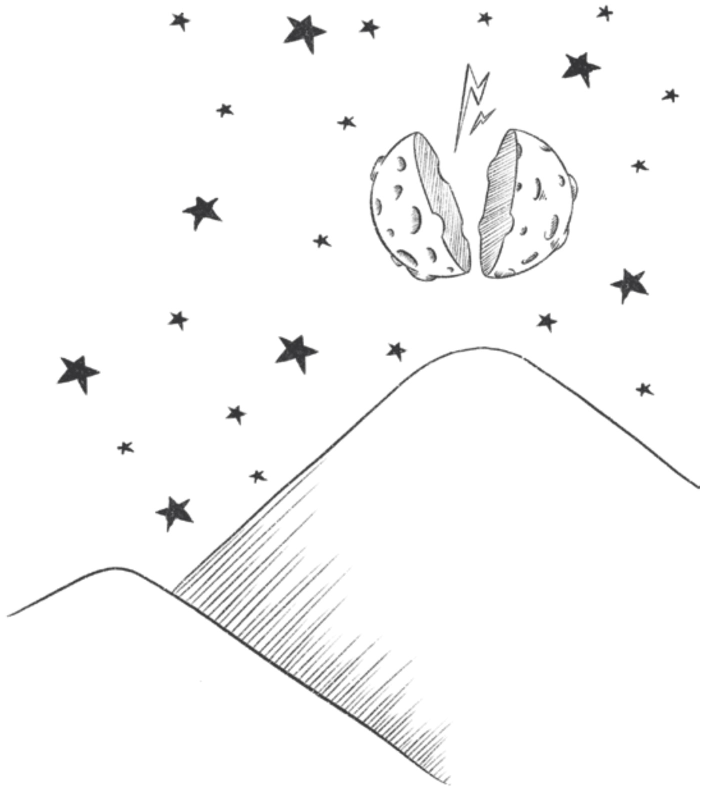

انبیاء ہمارے رب کے پیغمبر ہیں جنہیں لوگوں میں سے منتخب کیا گیا ہے۔ اللہ نبیوں سے وحی کے ذریعے بات کرتا ہے اور اس نے اپنے نبیوں کو ایسے معجزات دیے ہیں جو ان کے نبی ہونے کی دلیل ہیں۔ معجزات نبیوں کو دیے جانے والے وہ غیر معمولی واقعات ہیں جن کی نقل دوسرے نہیں کر سکتے۔ مثلاً آگ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ میں تبدیل ہو گئی۔ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے معجزات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا اور یہ بھی ہے کہ ان کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہہ نکلے۔ لیکن جب ہم معجزوں کی بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ معجزات کا حقیقی خالق صرف اللہ ہی ہے۔

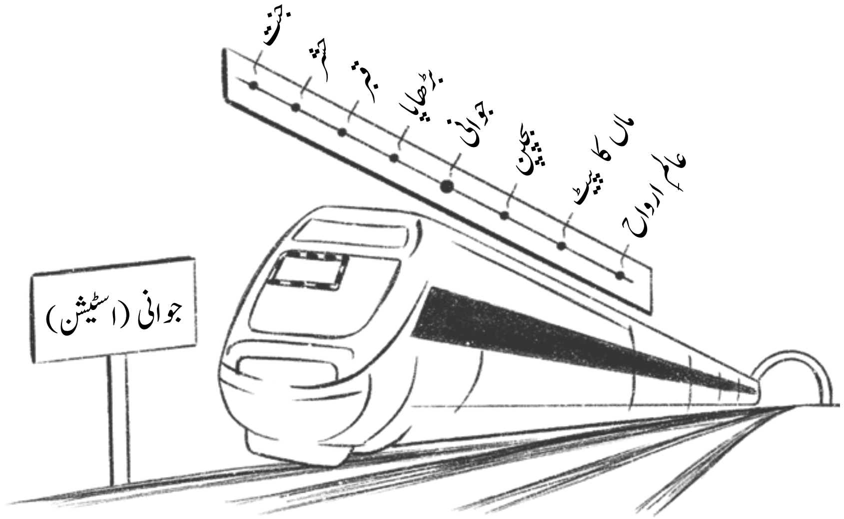

بلا شبہ آخرت میں زندگی ہوگی

پیارے طلبا! آخرت پر ایمان کا مطلب ہے اس ہمیشہ رہنے والی دنیا پر ایمان لانا جو قیامت کے دن کے بعد شروع ہوگی۔ ہماری یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور انسان کو اس میں ایک مقصد کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ زمین پر زندگی لمبے سفر میں ایک مختصر سے قیام کی طرح ہے۔سب انسان اس سفر کے مسافر ہیں۔ یہ طویل سفر روحوں کی دنیا سے شروع ہوتا ہے اور ماں کے پیٹ تک آتا ہے۔ پھر بچپن سے جوانی کی طرف اور جوانی سے بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے۔ بڑھاپے کے بعد قبر آتی ہے اور پھر قیامت کا دن آجائے گا اور آخری منزل ہمیشہ رہنے والی جنت ہے۔ اس سفر میں زمین پر زندگی بہت اہمیت رکھتی ہے۔یہاں ہمارے اعمال کے ذریعے ہم یہ طے کرتے ہیں کہ ہم اپنی ہمیشہ کی زندگی کیسے گزاریں گے کیونکہ یہ دنیا آخرت کے لیے کھیتی کی طرح ہے۔ جو کچھ انسان یہاں بوئے گا آخرت میں وہی کاٹے گا۔ جیسے ہم اپنی دنیوی زندگی کے لیے کام کرتے ہیں ہمیں اپنی آخرت والی زندگی کے لیے بھی کام کرنا چاہیے جو ہمیشہ کے لیے ہے۔کیا اس دنیا میں کوئی عام سا ملک بھی ان لوگوں کو انعام نہیں

دیتا جو قانون کی پیروی کرتے ہیں اور ان لوگوں کو سزا نہیں دیتا جو قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں؟ یقیناً قانون کے مطابق کوئی بھی ملک ایسا کرتا ہےلہذا ہمارا رب بھی اپنے ماننے والوں کو جنت کے ذریعے انعام دے گا اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی پیروی نہ کرنے والوں کو سزا دے گا۔

دوسری مرتبہ تخلیق پہلی مرتبہ سے آسان ہے

ہمارا رب لوگوں کو ان کی موت کے بعد ان کے جسموں کے ساتھ زندہ کرے گا جو اس کے لیے بہت آسان ہے۔ اللہ نے کچھ نہیں سے سب کچھ کو بڑی آسانی سے تخلیق کیا اور انہیں دوسری بار تخلیق کرنا پہلی بار سے آسان ہونا چاہیے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ دوسری مرتبہ تخلیق کرنا مشکل ہے حالانکہ ہم نے پہلی بار تخلیق کو دیکھا بھی ہے اور قبول بھی کیا ہے تو ہمارا یہ سمجھنا عقل کے خلاف ہے۔ ہم اس بات کو ایک مثال کے ذریعے بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں:

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اسکول کا پرنسپل پہلے دن آسانی سے ہزاروں طلبا کو منظم کرتا ہے، انہیں ان کے اساتذہ اور کلاس رومز میں جگہیں دیتا ہے، سبق کا شیڈول مرتب کرتا ہے، اس کا اعلان کرتا ہے اور سبق شروع کرتا ہے۔ پھر گھنٹی بجتی ہے اور طلباء آدھی چھٹی کے لیے پورے اسکول میں پھیل جاتے ہیں۔ اب کیا کوئی شخص جو پرنسپل کو ابتدائی انتظامات کرتے ہوئے دیکھ چکا ہے یہ کہہ سکتا ہے کہ پرنسپل دوبارہ بکھرے ہوئے طلباء کو ان کی کلاسوں میں واپس نہیں لا سکتا اور جب تک میں اسے ایسا کرتا نہ دیکھ لوں میں یقین نہیں کروں گا؟ یقیناً نہیں۔ اگر وہ ایسا کہتا ہے تو آپ خود ہی سمجھ لیں کہ وہ کتنی غیر عقلی صورتحال میں ہوگا؟

پرنسپل نے ایک ایسا نظام قائم کیا جو پہلے نہیں تھا اور پھر اس نے اس نظام کو قائم رکھا۔ ایسا پرنسپل جو یہ کام کر لیتا ہے گھنٹی بجنے کے بعد طلباء کو دوبارہ جمع کرنا اس کے لیے مزید آسان ہوگا کیونکہ وہ پہلے ہی نظام میں داخل ہو چکے ہوں، ان کی جگہیں

مخصوص کی جا چکی ہوں اور وہ ایک دوسرے سے واقف ہو چکے ہوں گے۔

اسی طرح قیامت کے دن انسانوں کو دوسری بار زندہ کرنا پہلی بار سے آسان ہو گا۔ بالکل اسی طرح جیسے اوپر کی مثال میں بیان ہوا ہے۔ ہمارے رب نے کچھ نہیں سے انسانوں کو تخلیق کیا ہے پھر اس دنیا کی زندگی میں ہمارے جسم میں خلیے اور اعضا زندگی بھر ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں اور جب موت آتی ہے تو خلیے آرام کرنے کے لیے بکھر جاتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن ہمارا رب ہمارے جسم کے بکھرے ہوئے خلیوں کو سیدنا اسرافیل علیہ السلام کی صور کے ذریعے دوبارہ جمع کرے گا اور اللہ کے لیےایسا کرنا بالکل مشکل نہیں ہے۔ تمام خلیے دوبارہ اپنی ان جگہوں پر واپس آ جائیں گے جن جگہوں پر انہوں نے دنیوی زندگی میں خدمت سر انجام دی اور پھر اللہ انسانوں کے تمام اعمال کا حساب لے گا۔

جب ہم اس بارے میں عقل اور دلیل کے ذریعے غور کرتے ہیں تو بھی ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کو دوسری بار کرنا پہلی بار کرنے سے آسان ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ میں طیارے، ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر جیسی چیزوں کو پہلی مرتبہ ایجاد کرنا ہی مشکل تھا لیکن بعد میں ان آلات کے بکھرے ہوئے حصوں کو اکٹھا کرنا اور دوبارہ جوڑنا بہت آسان ہو گیا۔ اللہ جس نے پہلی بار انسانوں کو پیدا کیا ہے وہ دوسری بار بھی انہیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

لوگ اپنے انتخاب اور چناؤ اپنی آزاد مرضی سے کرتے ہیں

پیارے نوجوان دوستو! اللہ کا علم لامحدود ہے۔ ہر چیز کے متعلق اس کا علم مکمل ہے ۔ تقدیر کا مطلب ہے کہ اللہ اپنے لامحدود علم کے ساتھ ہر چیز کو جانتا ہے جو کچھ ہو چکا ہے ، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو گا۔

دو قسم کی مرضی ہے جو کسی شخص کے ساتھ ہونے والی چیزوں پر اثر ڈالتی ہے۔ پہلی اللہ کی مرضی ہے جس کے ذریعے وہ ان خصوصیات جیسے قد، جلد کا رنگ، جنس، وطن، قومیت، جائے پیدائش اور والدین کو انصاف کے ساتھ مقرر کرتا ہے۔ کوئی بھی بندہ ان معاملات کے بارے میں جواب دہ نہیں ہے کیونکہ ان میں اس کی کوئی رائے نہیں ہے۔ دوسری قسم کی مرضی انسان کی آزاد مرضی ہے یعنی ان کا کسی چیز کو اختیار کرنے میں آزاد ہونا۔ اس مرضی کے ذریعے ایک بندہ اچھائی اور برائی میں سے ایک کو چننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان اس طرح کے چناؤ میں مکمل آزاد ہیں اور اپنی تقدیر کے ساتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ اگر انسان اس معاملے میں بھی تقدیر کے ساتھ بندھے ہوئے ہوتے تو انہیں اچھے اعمال پر تعریف و انعام نہ دیا جاتا اور نہ ہی برے اعمال پر سزا دی جاتی۔

جی ہاں اللہ نے ہمیں مکمل آزاد مرضی دی ہے اور ہم سب اسے اپنے شعور کے ذریعے جانتے ہیں۔ چونکہ ہمارے رب کو اپنے لامحدود علم کے ساتھ معلوم ہے کہ لوگ اپنی آزاد مرضی کا استعمال کرتے ہوئے کیا چنیں گے تو اس نے ان کے چناؤ اور انتخاب کے بارے میں سب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ لوگوں کے انتخاب کو پہلے سے جانتا ہے اور اس نے سب لکھ رکھا ہے لیکن یہ لکھا ہوا لوگوں کو کوئی عمل کرنے پر مجبور نہیں کرتا یا ان کی آزادی کو ختم نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایک لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق زندگی گزارنے کے پابند نہیں ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے یا نہ کرنے کا انتخاب ہماری اپنی مرضی پر ہے۔ لوگ اپنی مرضی سے یہ منتخب کرتے ہیں کہ وہ پڑھائی کریں یا کھیلیں اور ایک طالب علم جو کھیل میں مشغول ہے اگر وہ پڑھائی نہیں کرتا اور اس کے نمبر خراب ہیں تو اسے یہ کہنے کا حق

نہیں ہے کہ: "یہ میری غلطی نہیں ہے یہ تو میری تقدیر میں ہے۔"

انسان اپنے آزادانہ انتخاب کے نتائج کے لیے خود ذمہ دار ہیں۔ مثلاً جب کوئی شخص بازار سے پھل خریدتا ہے تو وہ اپنی عقل اور مرضی کے ساتھ پھل کا معائنہ کرتا ہے۔ خراب یا کچلے ہوئے پھل نہیں لیتا بلکہ اپنی پسند کے مطابق پھل چن کر لیتا ہے۔ یہ چننا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری مرضی آزاد ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس کا الٹ فرض کریں یعنی کوئی شخص خراب اور کچلے ہوئے پھل ایک تھیلی میں ڈال کر خریدے اور پھر کہے کہ :"میں کچھ نہیں کر سکتا یہ میری تقدیر ہے۔" کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ شخص کتنی غیر عقلی صورتحال میں ہوگا؟ کیا وہ اس بیان سے کسی کو قائل کر سکتا ہے؟

یوسف صاحب نے اپنی تقریر کا اختتام کرتے ہوئے کہا: "توجہ سے سننے کا شکریہ" اور تالیوں کی گونج میں اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔

یوسف صاحب کے اپنے طلبا نے اپنے استاد کو اور بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ سراہا۔ پروگرام واقعی بہت فائدہ مند تھا اور اپنے اختتام کے قریب تھا۔ میزبان نے یونیورسٹی کی انتظامیہ، اساتذہ اور ہر ایک کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس شاندار پروگرام کا انعقاد کیا۔

جب ہر چیز کا ایک مقصد ہے تو انسان کیسے بے مقصد ہو سکتا ہے

میزبان نے استنبول یونیورسٹی آف اسلام اور سائنس کے چانسلر کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی تاکہ وہ اختتامی تقریر کریں۔ تمام طلباء نے چانسلر کے لیے تالی بجائی۔ چانسلر صاحب نے بڑے جوش سے کہا:"پیارے طلباء! ہم نے اپنے محترم اساتذہ سے بہت فائدہ مند باتیں سنی ہیں اور آپ سب نے پروگرام کو دلچسپی سے سنا ہے ۔ آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔ درحقیقت آپ لوگ تالیوں کے مستحق ہیں۔ آپ ہماری قوم کے لیے امید کی کرن ہیں۔"

انہوں نے مزید کہا: "میں یہاں سب کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ ہمارے نوجوان طلباء کے لیے تالی بجائیں" اور ہال میں طویل تالیوں کی گونج سنائی دی۔

جب تالیوں کا سلسلہ ختم ہوا تو چانسلر نے کہا: پیارے نوجوان دوستو! یہ دنیا مزید خوبصورت ہو جائے گی جب آپ ہمارے خوبصورت مذہب اسلام کو سمجھیں گے اور اس پر عمل کریں گے جو کہ انسانیت کی امید ہے۔ ایک مومن بندہ جو اپنے رب کو جانتا ہے اور اس دنیا میں بھیجے جانے کی وجہ کو سمجھتا ہے ایسا بندہ انسانیت کے لیے ایک موقع ہوتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے پیارے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ذرا سوچیں جو انسانیت کے لیے ایک مثالی نمونہ بننے کے لائق ہیں کیونکہ انہیں ہمارے نبی ﷺ نے تعلیم دی۔ ایمان اور اسلام کے شرف سے پہلے وہ جہالت، ظلم و جبر اور برائیوں میں مبتلا تھے۔ ایمان اور اسلام کا شرف حاصل کرنے کے بعد وہ اچانک انسانیت کے اساتذہ بن گئے اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوموں کو انسانیت اور تہذیب کی تعلیم دیتے رہے حالانکہ وہ ماضی میں اتنے سخت تھے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کیا۔ ایمان اور اسلام کے ذریعے وہ اس سطح تک بلند ہوئے کہ ایک چیونٹی کو بھی نقصان پہنچانے سے ڈرنے لگے۔ ایسی زبردست تبدیلی صرف ایمان کے نور سے ممکن ہے جو ہمارے نبی ﷺ لے کر آئے۔

پیارے نوجوانو! ہر جاندار کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ ایک ایسی کائنات جہاں ایٹمز سے لے کر کہکشاؤں تک ہر چیز ایک مخصوص مقصد کے لیے تخلیق کی گئی ہے وہاں انسانوں کا بغیر مقصد کے ہونا ناممکن ہے۔ جیسے مرغی، بھیڑ، بکریاں اور ریشم کے کیڑے مخصوص مقاصد کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ کیا یہ سمجھ میں آنا ممکن ہے کہ انسانوں کو بغیر مقصد کے چھوڑ دیا جائے حالانکہ وہی ہیں جو ان تمام مخلوقات کے ذریعے اپنے رب کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں؟

ریشم، جسے شہتوت کے سبز پتوں پر پلنے والے ایک چھوٹے سے اور بغیر ہاتھوں والے کیڑے نے بنایا ہے اس کو استعمال کرنے والے انسانوں کو اللہ کو جاننا چاہیے اور اس سے محبت کرنی چاہیے جس نے انہیں یہ نعمت عطا کی ہے۔ تمام جاندار اور بے جان مخلوقات اپنے فرائض اور ذمہ داریاں پوری طرح سرانجام دیتی ہیں۔ انسانوں کو بھی چاہیے کہ اللہ کی طرف سے دیے گئے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کریں۔

ہم سب زمین پر اعلیٰ خصوصیات کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، بہترین صفات کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں جیسے عقل، شعور، تفکر، تجسس، حیرت، اور محبت۔ ایسی اعلیٰ صلاحیتوں سے لیس ہونا ہمیں دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ ہم زمین پر ایک عظیم مقصد کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

جی ہاں، پیارے دوستو! اللہ عزوجل مقدس قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں فرماتا ہے: "اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا" (قرآن 96:1)۔ وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم بے دھیانی سے نہ پڑھیں بلکہ جو بھی پڑھیں اپنے خالق کو یاد رکھ کر پڑھیں ، اسی کے نام سے ابتدا کریں اور اسے دل میں بسا کر کریں ۔

جب ہم اس نظر سے دیکھتے ہیں، تو کائنات ایک ایسی کتاب بن جاتی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے اور ہر سائنسی علم ہمارے لیے کائنات میں اللہ کی تخلیق کردہ بہترین اور حیرت انگیز چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں کسی شاہکار پر غور کرتے وقت اس کے

خالق کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کرنی چاہییں۔ ہم اس دنیا میں اپنے خالق کو جسمانی طور پر تو نہیں دیکھ سکتے لیکن ہمیں اس کی تخلیقات کو دیکھ کر اسے جاننے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ ہمیں اپنے رب کے ایک ہونے ، اس کی رحمت، انصاف، سخاوت اور اس کے تمام ناموں اور صفتوں کے اظہار پر غور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میرے پیارے نوجوان دوستو! آپ سب کو میرا سلام، محبت اور احترام! آپ کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ۔ میں اپنی تقریر کو ہمارے پیارے نبی ﷺ کی دعا کے ساتھ ختم کرنا چاہتا ہوں: "اے رب! ایمان کو ہمارے دلوں میں محبوب بنا دے اور ہمارے دلوں کو اس سے آراستہ کر دے اور کفر، بے حیائی اور تیری نافرمانی کو ہمارے لیے نفرت والا بنا دے۔ ہمیں اپنے ہدایت یافتہ بندوں کے راستے پر چلنے کی ہدایت دے جن سے تو راضی ہے۔"

تمام طلباء نے اس خوبصورت دعا کا جواب دیتے ہوئے کہا: "آمین، آمین۔ ان اختتامی الفاظ کے ساتھ ماحول اور بھی خوبصورت ہو گیا۔ طلباء خوشی سے بھرپور باتوں کے ساتھ ہال سے روانہ ہونے لگے۔ کچھ کہہ رہے تھے کہ "ہم بہت خوش ہیں کہ ہم آئے۔" کچھ طلباء تقاریر اور مقررین کا تجزیہ کر رہے تھے اور کچھ کہہ رہے تھے: "میں بھی اس یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتا ہوں۔" پروگرام ختم ہو گیا اور اس میں کی جانے والی تقاریر نے طلباء کے ذہنوں اور دلوں پر خوبصورت اثرات چھوڑے۔

ایمان ہماری سب سے بڑی مدد کی جگہ ہے

پھر سے سوموار کا دن تھا اور طلباء اپنے پسندیدہ استاد کے سبق کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ کانفرنس میں شرکت کرکے انہوں نے اللہ پر ایمان کی اہمیت کو بہتر انداز میں سمجھ لیا تھا۔

یوسف صاحب نے کہا: پیارےدوستو! آپ سب نے ہفتہ کے اختتام پر ہونے والی کانفرنس کو دھیان سے سنا اور نوٹس بھی بنا لیے۔ آپ سب کا شکریہ۔ الحمد للہ کانفرنس میں جانا کافی فائدہ مند رہا۔

بیٹل نے کہا: سر شکریہ تو آپ کا ہے ۔ ہمیں بلانے کے لیے آپ کا بہت شکریہ۔ اگر میں اس پروگرام کو چھوڑ دیتی تو بہت افسوس ہوتا۔"

دوسرے طلباء نے بھی کہا: "یہ بات بالکل صحیح ہے سر! آپ کا بہت شکریہ!"

یوسف صاحب نے پوچھا:"بچو! آپ کے ذہنوں میں سب سے زیادہ کس بات نے اثر کیا ؟"

سعید نے بولنے کی اجازت طلب کی اور کہا: سر! میں پہلی بار ایک یونیورسٹی میں داخل ہوا اور ایک بہت بڑے ہال میں یونیورسٹی کے پروفیسروں کی جانب سے ایک شاندار کانفرنس کو دیکھا۔ یہ میرے لیے ایک بہترین تجربہ تھا۔"

ابراہیم نے کہا: سر مجھے کانفرنس میں زیر بحث لائے گئے موضوعات بہت پسند آئے۔ یہ تجربہ واقعی خوبصورت تھا۔"

یوسف صاحب نے پوچھا: "اور آپ، علی؟"

علی نے جواب دیا:سر! کانفرنس تو ابھی بھی میرے ذہن میں ہے لیکن ساتھ ہی وہ مزیدار ترکی مٹھائی بھی یاد آ رہی ہے جو ہم نے چھوٹی بس میں کھائی تھی۔ براہ کرم ہمیں اس طرح کی کانفرنسز میں ہمیشہ لے جایا کریں" اس کے ان الفاظ نے سب کو ہنسا دیا۔

یوسف صاحب نے مسکرا کر کہا:"میرے پیارے نوجوان دوستو! یہ پروگرام واقعی فائدہ مند تھا جس نے ہم سب کے اندر ایک نئی طرح کا شعور بیدار کیا ہے۔ ہم نے ایمان کی قدروقیمت اور اہمیت کو مزید گہرائی سے سمجھا ہے۔ ایمان ایک طاقتور حقیقت ہے۔ اس کے ذریعے لوگ اللہ کو پہچانتے ہیں جو تمام موجودات کا مالک ہے اور یہ سمجھ جاتے ہیں کہ کائنات میں کچھ بھی اتفاقاً نہیں ہوتا۔ وہ یہ سیکھتے ہیں کہ ہر مخلوق ہمارے رب کی تخلیق کا ایک کمال نمونہ ہے اور تمام مخلوقات کو اللہ کی جانب سے مخصوص فرائض عطا کیے گئے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی موجودگی ہر صاحب ایمان کو مکمل اعتماد فراہم کرتی ہے۔ کوئی بھی شخص یہ جان کر سکون محسوس کرتا ہے کہ اس کا خالق ہمیشہ اسے دیکھ رہا

ہے اور اس کی حفاظت کررہاہے۔ ایسا شخص کسی بھی زندہ یا غیر زندہ مخلوق کو نقصان پہنچانے سے گریز کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان کے بھی اپنے فرائض ہیں۔ ایمان اسے اچھے اور مفید کاموں پر ابھارتا ہے۔

حسن نے بولنے کی اجازت مانگی اور کہا:سر! میں نے اپنی دادی کو پروگرام کے بارے میں بتایا تو وہ بہت متاثر ہوئیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ایمان انسانوں کو کتنی طاقت

دیتا ہے۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک مومن طاقتور اور بہادر ہوتا ہے۔ ہم مالازگرت، چاناکلے اور آزادی کی جنگوں میں ایمان کی طاقت سے ہی فتح یاب ہوئے۔"'

یوسف صاحب نے کہا: آپ کی دادی نے درست کہا حسن۔ ایمان ہمارا سب سے بڑا سہاراہے۔ ایک مضبوط ایمان والا شخص ساری زندگی اپنے ساتھ پیش آنے والے ہر معاملے میں اللہ کی طاقت پر اعتماد کرتا ہے اور ایمان سے ملنے والی طاقت کے ذریعے ہر مشکل پر قابو پاتا ہے۔ جو شخص اپنے رب کی لامحدود طاقت کو ایمان کے ساتھ تھامے ہوئے ہے اس پر مشکلات کا کیا اثر ہو سکتا ہے؟ ایک مضبوط ایمان والامشکلات کے سامنے ناامید نہیں ہوتا بلکہ ان پر صبر کرتا ہے۔ وہ مایوس نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ایمان اسے ہر چیز کے مثبت پہلو دکھاتا ہے۔ وہ امید نہیں چھوڑتا اور نہ ہی مایوسی یا افسردگی کا شکار ہوتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ دنیا اور اس میں ہونے والی تمام چیزوں کا ایک مالک ہے۔ وہ اس عقیدے کے ساتھ عمل کرتا ہے کہ اللہ کبھی بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے یا مسائل حل کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش کرتا ہے اور باقی اللہ عزوجل کے سپرد کر دیتا ہے جو عظیم ہے۔

پیارے نوجوان دوستو! ایمان اور حوصلے کے درمیان براہ راست تعلق ہے۔ جتنا زیادہ ایمان ہوگا اتنا ہی زیادہ حوصلہ ہوگا۔ تاریخ میں کئی ایسے گروہ مل جاتے ہیں جو تعداد میں کم تھے لیکن انہوں نے ایمان کی طاقت کے ساتھ کئی گنا بڑے گروہوں کو شکست دی ہے۔ ایمان لوگوں کو یہ نظریہ دیتا ہے کہ آپ اکیلے نہیں ہیں اللہ آپ کے ساتھ ہےلہٰذا حل تلاش کرنے میں مایوس نہ ہوں۔ایک مومن اپنے دل، ذہن، روح اور جذبات میں پر سکون رہتا ہے اور وہ اپنی زندگی کا مکمل لطف اٹھاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہاں اللہ کی اجازت کے بغیر ایک پتہ بھی اپنی شاخ سے نہیں گر سکتا۔"

سعید نے پھر بولنے کی اجازت مانگی اور کہا: سر! ایمان لوگوں کو دعا کرنے اور اللہ سے مانگنے کی صلاحیت بھی دیتا ہے نا؟"

یوسف صاحب نے مثبت انداز میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا: بالکل، دعا کرنے اور

اللہ سے مانگنے کی صلاحیت ایک شاندار نعمت ہے اور اللہ پر ہمارا ایمان ہمیں یہ کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس لیے ایمان ہماری سب سے مضبوط پناہ گاہ بھی ہے۔ ایمان ہمیں جو شعور فراہم کرتا ہے ہم اس کے ذریعے اپنے رحم کرنے والے رب کی رحمت میں پناہ لیتے ہیں۔ ایک مسلمان جو جانتا ہے کہ ہر چیز اللہ کے حکم سے ہوتی ہے سب سے پہلے اللہ سے مدد طلب کرتا ہے۔ وہ اپنے رب سے دعا کرتا ہے اور اس کا ایمان اسے یہ احساس دلاتا ہے کہ کوئی ایسا ہے جو اس کے دل کی سب سے خاموش دعاؤں کو بھی سنتا ہے۔ اور چونکہ اللہ مکمل طاقت کا مالک ہےلہذا وہ اپنے بندے کی دعاؤں کو قبول فرماتاہے۔

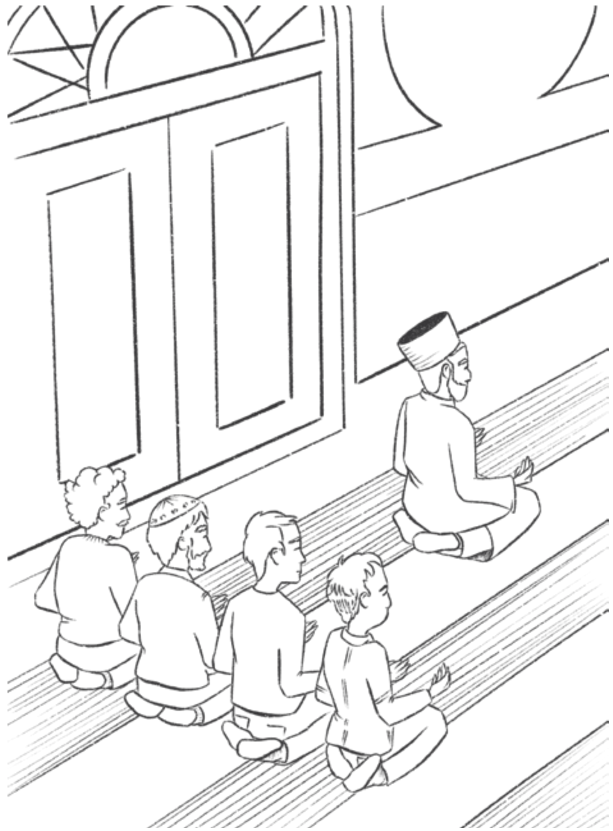

صاحب ایمان کا یہ علم کہ اللہ کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ ہی کم ہوتے ہیں اسے تحفظ اور ذہنی سکون عطا کرتا ہے۔ ایمان سے نوازا گیا شخص کسی بھی حال میں، کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ اپنے رب سے دعا کر سکتا ہے اور جو چاہتا ہے مانگ سکتا ہے۔ چونکہ اللہ کا کوئی مددگار نہیں ہے اور اس کی بادشاہت اور طاقت میں کوئی شریک نہیں ہےلہذا بندہ اپنے رب سے بغیر کسی رکاوٹ یا مشکل کے اپنی تمام خواہشات مانگ سکتا ہے ۔ وہ اللہ کی لامحدود طاقت پر بھروسہ کر سکتا ہے اور اس کی بے پایاں رحمت میں پناہ لے سکتا ہے۔

بیٹل جو توجہ سے سن رہی تھی کہنے لگی:"سر! کانفرنس کے بعد مجھے اپنے ایمان میں اضافہ محسوس ہوا اور میرے ذہن میں یہ سوال آیا کہ میں اپنے ایمان کو کیسے مضبوط کر سکتی ہوں؟"

یوسف صاحب نے کہا:" جی ہاں! میں ایسے ہی سوال کی توقع کر رہا تھا۔" ابھی یوسف صاحب نے یہ کہا ہی تھا کہ گھنٹی بجی اور یوسف صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا: "ذرا وقت کی جانب بھی دیکھیں ۔ اس قیمتی سوال کا جواب اگلے سبق میں دیتے ہیں۔ اس دوران آپ خود بھی سوچیں اور تحقیق کریں کہ ہم اپنے ایمان کو کیسے مضبوط کر سکتے ہیں؟ آپ کا دن خوشگوار ہو اور اللہ آپ کی حفاظت فرمائے۔

میں اپنے ایمان کو کیسے مضبوط کر سکتا ہوں؟

بدھ کا دن آیا اور یوسف صاحب نے معمول کے مطابق اپنے طلباء کو سلام کیا اور ان کی خیریت دریافت کی۔ پھر انہوں نے کہا: "آئیں ہم اس پر بات کرتے ہیں کہ ہم اپنے ایمان کو کیسے مضبوط کر سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے پچھلے سبق میں طے کیا تھا۔"

نصیبہ نے کہا: میں نے اس بارے میں اپنے والد سے پوچھا اور انہوں نے کہا: "کھیل کے کھلاڑی اپنے پٹھوں کو بڑھانے کے لیے سخت محنت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مسلمانوں کو بھی پہلے یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہمیں اپنے ایمان کو بڑھانے کی ضرورت

ہے۔ جتنا زیادہ ایک شخص ایمان سے متعلق کتابیں پڑھتا ہے، غور کرتا ہے اور جو کچھ پڑھتا ہے اس کے بارے میں بات کرتا ہے اس کا ایمان اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص اپنے ارد گرد ہر چیز کو فن پارے کے طور پر دیکھے تو وہ ضرور ان کے بنانے والے فنکار کے بارے میں سوچے گا۔ اس طرح وہ اللہ کے بارے میں مزید جاننے کی خواہش کرے گا۔ جتنا وہ اسے جاننے لگتا ہے اتنی ہی اس کی اللہ سے محبت بڑھتی جاتی ہےاور جتنی اس کی محبت بڑھتی ہے اتنا ہی وہ اسے مزید جاننے کی خواہش کرتا ہے۔ہر غور و فکر اللہ اور بندے کے درمیان ایمان کے تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔

ابراہیم نے کہا: سر! میں نے بھی انکل عمر سے پوچھا اور انہوں نے کہا کہ عبادت کرنا اور اللہ کا فرمانبردار بندہ بننے کی کوشش کرنا ہمارے ایمان کو مضبوط کرتا ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: "جی ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ اور جیسا کہ انکل عمر نے کہا ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک اور اہم طریقہ عبادت ہے۔ ایک شخص جو عبادت کرتا ہے اور اللہ کے بندے کی حیثیت سے اپنے فرائض پورے کرتا ہے وہ یہ اچھی طرح جان لیتا ہے کہ پوری کائنات اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے فضول نہیں بنایا گیا۔لہٰذا اس کی دعاؤں اور دیگر روزمرہ کی عبادات کے ذریعے خالق کی عظمت اور رحمت اس کے دل میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔

میرے پیارے طلباء! ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جو لوگ عبادت کرتے ہیں وہ یہ جان جاتے ہیں کہ دوسری مخلوقات بھی اپنی عبادت کرتی ہیں کیونکہ جو کچھ بھی بنایا گیا ہے اس کا ایک مقصد ہے۔ مثال کے طور پر بھیڑیں دودھ دینے کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور شہد کی مکھیوں کو شہد بنانے کے لیےپیدا کیا گیا۔ اسی طرح انسان جنہیں تمام دوسری مخلوقات سے زیادہ صفات اور خصوصیات کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے ان کی تخلیق کا بھی تو کوئی مقصد ہونا چاہیے، جو کہ ایمان لانا اور ہر چیز کے خالق اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ بد قسمتی سے جو لوگ عبادت نہیں کرتے وہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو

نہیں دیکھ پاتے یا سمجھ نہیں پاتے۔ یہ حقیقت ہے کہ عبادت اور دعا لوگوں کے لیے اللہ کے ہونے اور ایک ہونے کو پہچاننے میں بہت مددگار ہوتی ہیں۔

پیارے نوجوانو! عبادت ہمارے دل میں ایمان کو مضبوط کرنے اور اس کی جڑیں گہری کرنے میں مدد کرتی ہے۔ابراہیم !فرض کریں کہ آپ نے ایک پودا زمین میں لگایا ہے۔ کیا وہ بڑھ سکتا ہے اگر آپ اسے پانی نہ دیں؟"

ابراہیم نے جواب دیا: "نہیں سر وہ کبھی نہیں بڑھ سکتا یا بڑا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ سوکھ جائے گا۔"

یوسف صاحب نے کہا: "جب ہم اپنی عبادت نہیں کرتے تو ہمارا ایمان کمزور ہو جاتا ہے اگرچہ ختم نہیں ہوتا لیکن یہ آہستہ آہستہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے لازمی ہے کہ ہم عبادت کریں۔ ہماری عبادت اور دعا ہمارے اندر ایمان کو بڑھانے اور اسے ہمارے دلوں میں مضبوط کرنے کے لیے سب سے اہم عناصر میں سے ہے۔ پیارے طلباء! عبادت کرنے اور اپنے رب سے روزانہ گفتگو کرنے، خاص طور پر دن میں پانچ بار نماز پڑھنے سے ایک شخص کو اپنی کمزوری اور اللہ کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنی تمام ضروریات صرف اسی سے مانگتا ہے۔ وہ اللہ کے سامنے اپنی بے بسی کو پہچانتا ہے اور عبادت کے ذریعے اس کی لامحدود طاقت اور رحمت پر بھروسہ کرتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کا ایسا مخلص بندہ بن جاتا ہے جو اپنی کمزوریوں اور خامیوں سے آگاہ ہوتا ہےاور یہ سب عبادت کے ذریعے حاصل کردہ شعور کی بدولت ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ

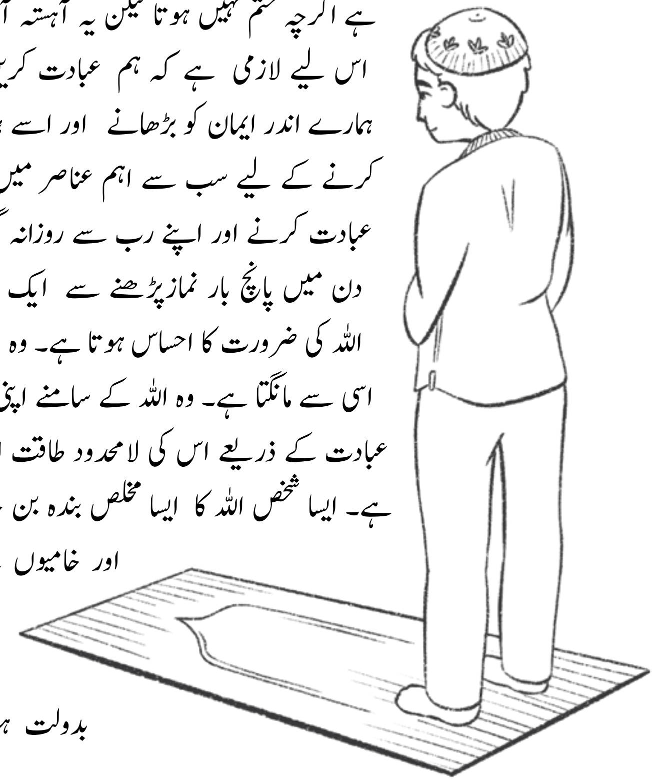

ہم نماز نہ پڑھیں اور اپنے رب سے اپنا تعلق توڑ لیں تو ہم خودغرض اور سخت دل ہو جائیں گے۔"

پھر یوسف صاحب نے طلباء سے پوچھا: کیا کوئی اور ہمیں بتانا چاہتا ہے کہ ہم اپنے ایمان کو کیسے مضبوط کر سکتے ہیں؟

سعید نے بولنے کی اجازت طلب کی اور کہا: "سر! میں نے اس بارے میں ایک کتاب میں کچھ پڑھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ تمام انبیاء اور اولیاء اللہ کی زندگیوں کو جاننا خاص طور پر ہمارے پیارے نبی ﷺ کی زندگی کو سمجھنا اور ان کی مشکلات کو جاننا ہمارے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔"

یوسف صاحب نے کہا: " یہ بہت خوبصورت بات ہے۔لوگ اس دنیا میں ایک مقدس مقصد کے لیے بھیجے گئے ہیں اور لوگوں کے لیے سب سے بڑے رہنما انبیاء ہیں۔ تمام نبیوں اور اولیاء اللہ جنھوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے لیے وقف کر دیں، ان کی

زندگیوں کے بارے میں جاننا ہمیں روحانی طور پر مضبوط کرتا ہے۔ خاص طور پر ہمارے نبی ﷺ کی مثالی زندگی میں ہمارے لیے سب سے عظیم رہنمائی ہے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں یہ سکھایا کہ اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ اپنے طرز زندگی کے ذریعے بہترین مثال قائم کر کے انہوں نے ہمیں یہ بھی دکھایا کہ جن چیزوں کو کرنے کی ہمیں ضرورت ہے ہمیں ان کو کیسے کرنا ہے ۔ انہوں نے وضاحت کی کہ ہمیں ان چیزوں سے کیوں بچنا چاہیے جو منع ہیں اور ہمیں یہ بتایا کہ اگر ہم اللہ کے احکامات پر عمل کریں تو ہمیں کیا حاصل ہو گا اور اگر ہم ایسا نہیں کریں تو ہم کیا کچھ کھو دیں گے۔ صحابہ کرامؓ ان کے پہلے شاگرد تھے جنھوں نے ان سے ایمان کا سبق بہترین طریقے سے سیکھا۔ انہوں نے ہمارے نبی ﷺ سے ہر سوال کا جواب سیکھا۔ جیسے: ایمان کیا ہے؟ اللہ سے محبت کا کیا مطلب ہے؟ ایک حقیقی انسان کیسے بنا جا سکتا ہے؟ اللہ کی تخلیقات پر غور کیسے کرنا ہے؟ ہم اپنے رب کی نعمتوں کا شکر کیسے ادا کریں؟ اللہ کا سچا بندہ کیسے بنیں؟"

پھر یوسف صاحب نے پوچھا: کیا کسی کے پاس اس موضوع پر کہنے کے لیے کچھ اور ہے؟

ریان نے کہا: سر! کیا میں ایک سوال پوچھ لوں؟

یوسف صاحب نے کہا: "جی ہاں ریان۔ ضرور پوچھیں"

ریان نے پوچھا: "کیا ایمان کو مضبوط کرنے کا تعلق اچھے معاشرتی ماحول سے بھی ہے؟

یوسف صاحب نے جواب دیا: جی ہاں ریان۔ یہ ایک اچھا نکتہ ہے۔ ایک اچھا معاشرتی ماحول اور اچھے دوست بھی بہت اہم ہیں۔ اگر کسی شخص کا ماحول اس میں نیکی اور بھلائی پیدا کرتا ہے تو وہ شخص اچھائی، نیکی اور خیرخواہی کی طرف ضرور مائل ہو جاتا ہے۔ ہمارے دوست ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قریب لاتے ہیں۔

ایک شخص ایمان کے ابتدائی سبق اپنے خاندان، رشتہ داروں اور ہمسائیوں سے حاصل کرتا ہے۔ والدین روحانی استاد کی طرح ہوتے ہیں جو کہ اسلام اور ایمان پر عمل پیرا ہو کر اپنے بچوں کے لیے ایک مثال قائم کرتے ہیں۔ رشتہ دار اور ہمسائے ایک دوسرے کو ہمیشہ کی خوشی والی سرزمین (جنت) کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے مل کر کام کرتے ہیں۔ لہذا بندے کو ہمیشہ اپنے معاشرتی ماحول کا انتخاب اچھی طرح تحقیق کرکے کرنا چاہیے کیونکہ برا ماحول اور بُرے دوست آج کے معاشرے میں نقصان دہ عادتوں اور رویوں کی بڑی وجوہات میں سے ہیں۔

پیارے بچو! ہمارا ایمان ہماری سب سے اہم صفت ہے جسے ہمیں کبھی نہیں کھونا چاہیے۔ ہمارا ایمان ہمیں جنت کی طرف لے جائے گا۔ لہذا جتنا ممکن ہو سکے ہمیں ایسے ماحول اور دوستوں سے دور رہنا چاہیے جو ہمارے ایمان اور دین کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں ان سے ایسے بھاگنا چاہیے جیسے ہم بچھو اور سانپوں سے بھاگتے ہیں۔ ہمیں اچھے معاشرتی ماحول اور ایسے دوستوں کی تلاش کرنی چاہیے جو اچھائی اور نیکی کی طرف ہماری رہنمائی کریں۔"

ایک بار پھر گھنٹی کی آواز کے ساتھ سبق ختم ہوا اور یوسف صاحب نے خوشی سے کہا: "آپ سب کو وقفے کی بھی ضرورت ہے بچو!۔ ان شاء اللہ اگلے سبق میں ایک نئے موضوع کے ساتھ ملاقات ہوگی۔ اللہ آپ سب کی حفاظت فرمائے۔ السلام علیکم!"

اور وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ کلاس سے چلے گئے ۔